حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق
پروفیسر دہلی یونیورسٹی

ادارۂ اسلامیات انارکلی لاہور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سرکاری خطوط

ڈاکٹر خورشید احمد فارق
پروفیسر دھلی یونیورسٹی

اِدارہ اسلامیات ○ ۱۹۰۔ انارکلی لاہور

اشاعتِ اول : مئی ۱۹۷۸ء

باہتمام : اشرف برادرز لاہور

مطبع : وفاق پریس - لاہور

قیمت : مجلد ۔/۱۵

ملنے کے پتے :

ادارۂ اسلامیات : ۱۹۰۔ انارکلی - لاہور

دارالاشاعت : اردو بازار - کراچی ۱

ادارۃ المعارف : ڈاکخانہ دارالعلوم کراچی ۱۴

مکتبہ دارالعلوم : کراچی ۱۴

فہرست مضامین

خط		صفحہ
	مقدمہ	۵
	عثمان غنیؓ	۳۲
	عثمان غنیؓ پر اعتراضات اور ان کا جائزہ	۷۶
خط	خطوط	۱۱۱
۱	گورنروں کے نام	۱۱۲
۲	سرحدی کمانڈروں کے نام	۱۱۳
۳	خراج افسروں کے نام	"
۴	عام مسلمانوں کے نام	۱۱۴
۵	ولید بن عُقبہ کے نام	۱۱۵
۶	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام	۱۱۷
۷	معاویہ بن ابی سفیان کے نام	۱۱۸
۸	" "	۱۱۹
۹	خط کی دوسری شکل	"
۱۰	خط کی تیسری شکل	۱۲۰
۱۱	معاویہ بن ابی سفیان کے نام	"
۱۲	امیر معاویہ اور دوسرے گورنروں کے نام	۱۲۱
۱۳	ولید بن عُقبہ کے نام	"
۱۴	خط کی دوسری شکل	۱۲۴
۱۵	ولید بن عُقبہ کے نام	۱۲۶
۱۶	اہل کوفہ کا نام	۱۲۷

خط		صفحہ
۱۷	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام	۱۲۸
۱۸	" " " "	۱۳۰
۱۹	اندلس پر چڑھائی کرنیوالے مجاہدوں کے نام	۱۳۲
۲۰	خط کی دوسری شکل	۱۳۳
۲۱	ابو موسیٰ اشعری کے نام	"
۲۲	عبداللہ بن عامر کے نام	۱۳۵
۲۳	عبداللہ بن مسعود کے نام	۱۳۶
۲۴	" " "	۱۳۷
۲۵	ولید بن عُقبہ کے نام	۱۳۸
۲۶	عثمان بن ابی العاص ثقفی کو دستاویز	۱۳۹
۲۷	عبداللہ بن عامر کے نام	۱۴۲
۲۸	مرکزی شہروں کے مسلمانوں کے نام	۱۴۳
۲۹	ولید بن عُقبہ کے نام	۱۴۶
۳۰	خط کی دوسری شکل	۱۴۷
۳۱	اکابر کوفہ کے نام	"
۳۲	خط کی دوسری شکل	۱۵۰
۳۳	سعید بن عاص کے نام	"
۳۴-۳۵	" " "	۱۵۲
۳۶	حبیب بن مسلمہ کے نام	۱۵۳

خط		صفحہ	خط		صفحہ
۳۷	خط کی دوسری شکل	۱۵۵	۵۵	اشتر نخعی اور ان کی پارٹی کے نام	۱۷۰
۳۸	معاویہ بن ابی سفیان کے نام	۱۵۶	۵۶	ابو موسیٰ اشعری اور حذیفہ بن یمان کے نام	۱۷۱
۳۹	خط کی دوسری شکل	۱۵۸	۵۷	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام	۱۷۲
۴۰	خط کی تیسری شکل	″	۵۸	″ ″ ″ ″	۱۷۴
۴۱	خط کی چوتھی شکل	″	۵۹	صدر مقاموں کے مسلمانوں کے نام	۱۷۶
۴۲	ابو ذر کے نام	″	۶۰	باغیوں کو وثیقہ	۱۷۷
۴۳	عبدالرحمٰن بن ربیعہ کے نام	″	۶۱	عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام	۱۸۲
۴۴	اکابر کوفہ کے نام	۱۶۰	۶۲	خط کی دوسری شکل	″
۴۵	معاویہ بن ابی سفیان کے نام	۱۶۲	۶۳	خط کی تیسری شکل	″
۴۶	اشتر نخعی کے نام	″	۶۴	خط کی چوتھی شکل	″
۴۷	خط کی دوسری شکل	۱۶۳	۶۵	خط کی پانچویں شکل	۱۸۳
۴۸	سعید بن عاص کے نام	″	۶۶	صدر مقاموں کے مسلمانوں کے نام	۱۸۴
۴۹	خط کی دوسری شکل	۱۶۴	۶۷	مسلمانوں کے نام	۱۸۵
۵۰	سعید بن عاص کے نام	″	۶۸	عبداللہ بن عامر اور معاویہ بن ابی سفیان کے نام	۱۸۸
۵۱	اشتر نخعی اور انکے ساتھیوں کے نام	۱۶۵	۶۹	خط کی دوسری شکل	″
۵۲	سعید بن عاص کے نام	″	۷۰	خط کی تیسری شکل	۱۸۹
۵۳	کوفہ کے باغیوں کے نام	۱۶۷	۷۱	باغیوں کے نام	″
۵۴	اشتر نخعی اور ان کی پارٹی کے نام	۱۶۹	۷۲	علی بن ابی طالب کے نام	۱۹۰

نقشہ مقابل صفحہ ۵

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

سنہ ۵۹ء میں پہلی بار عمر فاروق کے اور سنہ ۶۲ء میں ابوبکر صدیق کے سرکاری خطوط ندوۃ المصنفین دہلی نے چھاپے تھے اور اب تیسرے خلیفہ عثمان غنی کے سرکاری خطوط اسی ادارے کی طرف سے پیش کیے جا رہے ہیں، اس سلسلہ کی آخری کڑی یعنی علی حیدر کے خطوط اور تقریریں بھی، لگ بھگ ہزار سال پہلے شاعر و ادیب رضی بغدادی نے جمع کیے تھے جو نہج البلاغہ کے نام سے مشہور ہیں، یہ خطوط بے سیاق و سباق تھے، اس کمی کو سو سو برس بعد مشہور معتزلی عالم ابن ابی الحدید مدائنی نے شرح نہج البلاغہ لکھ کر پورا کر دیا اور اب سنا ہے نہج البلاغہ کا اردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے، اس طرح خلفائے اربعہ کی سرکاری تحریروں کا سٹ بڑی حد تک تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ عثمان غنی کے خطوط چند سال پہلے جب بشکل مضامین چھپے تھے تو ان کی تعداد پچاس سے کم تھی اب ستر سے زیادہ ہے یہ تعداد عثمان غنی کے مکتوبہ خطوط کا بہت ہی چھوٹا حصہ ہے، انہوں نے بارہ سال حکومت کی اور علے أقل التقدیر اگر یومیہ پانچ خطوں کا ہی اوسط رکھا جائے تب بھی اُن کے خطوط کی تعداد بیس ہزار سے زیادہ ہوتی ہے، افسوس ہے کہ یہ خط محفوظ نہیں رہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو محفوظ رکھنے کا اس زمانے میں کوئی انتظام نہ تھا، عہدِ حاضر میں ہر سرکاری تحریر کی کئی کئی کاپیاں لے لی جاتی ہیں اور ایک دو سرکاری ریکارڈ میں محفوظ بھی کر لی جاتی ہیں، اس زمانے میں طریقہ یہ تھا کہ جب خلیفہ اپنی طرف سے کسی گورنر یا کمانڈر کو کوئی فرمان بھیجتا تو ایک چھوٹے کاغذ یا چمڑے پر اس کا لب لباب قلمبند کر دیتا اور متعلقہ تفصیلات

اپنے ایلچی کو سمجھا دیتا جن کو وہ زبانی گورنر یا کمانڈر سے جا کر کہہ دیتا، اگر خلیفہ کو گورنر یا کمانڈر کے مراسلہ کا جواب دینا ہوتا تو وہ بالعموم اسی مراسلہ کے نیچے یا اس کی پشت پر مختصر حکم لکھ دیتا اور گورنر یا کمانڈر کے سفیر کو متعلقہ ہدایات زبانی دے دیتا جن سے وہ جا کر اپنے مرسل کو مطلع کر دیتا، خلیفہ کا خط پا کر اور متعلقہ ہدایات سفیر کی زبانی سن کر گورنر تعمیلِ حکم میں لگ جاتا، خط کو دھو کر اور اس کا کاغذ سکھا کر یا تو آئندہ استعمال کے لئے رکھ لیا جاتا یا وہ کسی ایسی جگہ ڈال دیا جاتا جہاں سے چند دنوں میں ضائع ہو جاتا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ستر سے زیادہ خطوط جو اس مجموعہ میں شامل ہیں وہ کس طرح محفوظ رہ گئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اپنی موجودہ شکل میں یہ وہ خط نہیں ہیں جو عثمان غنی نے فی الواقعہ تحریر کئے تھے بلکہ یہ وہ خط ہیں جو ان کی طرف منسوب کئے گئے ہیں، ان خطوط کو تین صنفوں میں رکھا جا سکتا ہے: ایک وہ جن کے مضمون میں راویوں کی طرف سے لفظاً و معناً کم اضافے ہوئے ہیں اور دوسرے وہ جن کے مضمون میں راویوں کی طرف سے لفظاً و معناً زیادہ اضافے ہوئے ہیں اور تیسرے وہ جن کی کوئی اصل نہیں، جن کو راویوں نے کسی مصلحت یا غرض کے ماتحت وضع کر دیا تھا، پیشِ نظر مجموعۂ خطوط میں ان تینوں صنفوں کے خط موجود ہیں اور یہ تینوں صنفیں عثمان غنی کے خطوں کی طرح دوسرے خلفاء کے خطوں میں بھی پائی جاتی ہیں۔

اسلام کے بعد عربوں نے جن علوم کی طرف سب سے پہلے اور سب سے زیادہ توجہ دی وہ یہ تین تھے: حدیث، تاریخ اور تفسیر، حجاز کے عربوں میں نہ علمی ماحول تھا نہ علمی روایات، ان کے ہاں صرف شعر و نسب دو علم تھے جن سے دلچسپی لی جاتی تھی، چونکہ کاغذ کمیاب اور نہایت گراں تھا اور حجازی عربوں کا سوادِ اعظم قلاش اور خانہ بدوش، وہ شعر و نسب کو کاغذ کی بجائے حافظہ میں محفوظ کرنے کے عادی تھے اور دونوں کو زبانی روایت کے ذریعہ پیڑھی بہ پیڑھی منتقل کیا کرتے تھے، پڑھنے لکھنے کا کچھ چرچا شہروں میں

ضرور تھا، خاص طور پر خوش حال تاجر جن کا بیرونی ملکوں سے تجارتی تعلق ہوتا، جیسے طائف کے ثقیف، مکہ کے قریش اور یثرب (مدینہ) کے یہودی، کاروباری خط وکتابت کرنے اور حساب کتاب رکھنے کے لئے معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے، جن لوگوں نے حدیث، تاریخ اور تفسیر کی اشاعت وتعلیم کی ابتدا کی وہ سب عرب تھے اور صحابی، صحابہ میں صرف تھوڑے اشخاص معمولی پڑھے لکھے تھے، ان کی اکثریت ناخواندہ تھی، خواندہ صحابہ میں بیشتر ثقیف اور قریش کے خوشحال تاجر تھے جن کو شام، عراق، مصر اور حبشہ جیسے متمدن ملکوں کے سفر کا تجربہ تھا اور جن کا افق ذہنی وہاں کے متمدن ماحول میں بود وباش سے نسبتاً وسیع ہو گیا تھا، جمہور صحابہ دیہاتوں میں پلے بڑھے تھے اور ان کا تعلق غریب، پسماندہ اور جاہل ماحول سے تھا، اس کے علاوہ بعض صحابہ رسول اللہؐ کی صحبت میں زیادہ رہے تھے، بعض کم، بعض کا حافظہ اچھا تھا، بعض کا کمزور، چونکہ صحابہ کا ماحول اور ان کی فکری اور علمی سطح ایک دوسرے سے مختلف تھی، اس لئے ان کے اعمال، ان کی سیرت اور میلانات بھی ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

رسول اللہؐ اور ابوبکر صدیق کے عہد میں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم واشاعت جزیرہ کے مختلف دیہاتوں، بستیوں اور شہروں تک ہی محدود رہی، لیکن عمر فاروق کے زمانۂ خلافت میں (۱۳-۲۳ھ) عربوں نے شام، عراق، مصر، فارس اور دوسرے ملک فتح کئے تو بہت سے صحابہ جن کی اکثریت غیر قریشی اور دیہاتی عربوں پر مشتمل تھی، مفتوحہ شہروں اور عرب چھاؤنیوں میں آباد ہو گئے، ان شہروں اور چھاؤنیوں میں تین طرح کے لوگ تھے: ایک عرب جو جزیرہ کے دیہاتوں سے فوج میں بھرتی ہو کر آئے تھے اور جاہل ناتراشیدہ تھے، دوسرے غیر عرب نو مسلم جو عام طور سے پڑھے لکھے تھے اور جن کا تعلق فارس، شام، اور مصر کی متمدن اقوام سے تھا اور تیسرے غیر مسلم ذمی جو شکست کھا کر عربوں کے ماتحت اور باجگذار ہو گئے تھے؛ نئے ماحول میں صحابہ کو بہت اعزاز حاصل ہوا اور نئے اسلامی

عرب معاشرہ پر انہوں نے اپنا سکہ جمالیا، فوجی عرب اور غیر عرب نومسلم وفورِ عقیدت سے رسول اللہؐ کی حدیثیں ان سے پوچھا کرتے اور اپنے گوناگوں شخصی، مذہبی، قانونی، ازدواجی اور مالی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے اور ان کو اپنا مطاع و مقتدا سمجھتے، ذمی ان کو حکمراں پارٹی کا رکن سمجھ کر ان کا احترام کرتے، مفتوحہ ملکوں میں بسنے والے ان صحابہ میں سے کچھ کاروبار میں لگ گئے، جو تیز، بارسوخ اور باشعور تھے سرکاری عہدوں پر فائز ہو گئے اور ان کی ایک اچھی خاصی تعداد نے اپنے اپنے محلوں کی مسجدوں میں تعلیمی حلقے کھول لئے، ان حلقوں میں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم دی جاتی تھی، یہ وہ مضمون تھے جن کی مانگ تھی، جن سے کم و بیش صحابہ واقف تھے اور جن کے ذریعہ رسول اللہؐ، تاریخ اسلام اور قرآن سے واقفیت ممکن تھی، مفتوحہ ملکوں میں آ کر بسنے والے عرب فارغ البال تھے، حکومت کی طرف سے ان کی تنخواہیں اور راشن مقرر تھے، حکمراں قوم کے ممبر ہونے کے باعث ان شہروں اور چھاؤنیوں کے نئے معاشرہ میں ان کو عزت اور وجاہت بھی حاصل تھی، اس لئے تعلیمی حلقوں میں ان کی شرکت کا اصل محرک دین، اسلام اور اس کے قانون سے متعارف ہونا تھا، اس کے برخلاف غیر عرب نومسلم (موالی) تین مشکلات میں مبتلا تھے: (۱) معاشرتی مشکل (۲) اقتصادی مشکل اور (۳) دینی مشکل، متمدن اقوام سے تعلق رکھنے، خواندہ اور مسلمان ہونے کے باوجود عرب معاشرہ میں ان کو عزت و وقار حاصل نہ تھا، وہ یا تو میدان جنگ میں گرفتار ہو کر غلام بنالئے گئے تھے اور بعد میں زر آزادی ادا کرکے آزاد ہو گئے تھے یا ان کا تعلق مفتوحہ اقوام سے تھا جو شکست کھا کر اصولاً غلام بن گئی تھیں لیکن جن کو قومی مصالح کی بنا پر فاتحین نے آزاد چھوڑ دیا تھا. نومسلموں کو عربوں کے برابر درجہ حاصل نہ تھا، وہ عرب عورتوں سے شادی نہیں کر سکتے تھے، وہ دوسرے درجہ کے شہری تھے، عربوں کی خدمت، معاونت اور چاکری کے لئے وقف، اقتصادی اعتبار سے بھی ان کی حالت زبوں تھی . . . .

. . . . دینی میدان میں ان کی واقفیت نماز، روزہ اور زکوٰۃ سے زیادہ نہ تھی، ان تینوں مشکلات پر قابو پانے کے لئے یعنی معاشرہ میں عزت، حکومت کے عہدے اور دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرنے کے لئے سب سے مؤثر تدبیر یہ تھی کہ وہ حدیث، تاریخ اور تفسیر میں دستگاہ حاصل کریں چنانچہ وہ بڑے شوق، نیازمندی اور عقیدت سے صحابہ کے درسی حلقوں میں داخل ہو گئے۔

معلم صحابہ نہ تو کسی کتاب سے درس دیتے تھے نہ ان کے پاس لکھا ہوا قرآن تھا، رسول اللہؐ کی جو باتیں نماز، روزہ، معاملات، سیرت و اخلاق سے متعلق یا رسول اللہؐ کے جو غزوات اور فتوحات ان کو معلوم ہوتے یا قرآن کی جو آیتیں ان کو یاد ہوتیں وہ اپنے شاگردوں کو تھوڑا تھوڑا کرکے ذہن نشین کرا دیتے اور قرآن کے مشکل الفاظ کی تفسیر اگر ان کو معلوم ہوتی یا رسول اللہؐ سے سُنی ہوتی تو وہ بھی بتا دیتے، چونکہ اسلام سے پہلے ان کے ہاں علمی روایات یا لکھت پڑھت کا ماحول نہ تھا وہ کتاب کی جگہ زبانی روایت کے ذریعہ معلومات منتقل کرنے اور تحریر کی جگہ حافظہ میں علم مقید کرنے کے سینکڑوں برس سے عادی رہے تھے اس لئے وہ اپنے شاگردوں کو حدیث، تاریخ اور تفسیر لکھنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور اصرار کرتے تھے کہ ان کے ملفوظات ذہن میں مرتسم کئے جائیں اپنے اس اصرار کی توجیہ وہ رسول اللہ کی طرف منسوب کردہ اس قول سے کیا کرتے تھے کہ میری حدیثیں لکھا نہ کرو، ان کی زبانی اشاعت کر سکتے ہو" ہر چند کہ تحریر کے بارے میں سارے صحابہ کا موقف ایک نہ تھا اور بعض تحریر کے حق میں تھے، لیکن چونکہ اکثریت کا موقف امتناعی تھا اس لئے قدرتی طور پر یہی چل بھی نکلا، اکثر صحابہ کے شاگرد، عرب اور موالی دونوں، اسی موقف کے حامی ہو گئے اور جب تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے درسی حلقے کھولتے تو تحریر و کتابت کی اجازت وہ بھی نہ دیتے تھے۔

رسول اللہؐ کی صحبت، اولین حاملِ اسلام، نیز حدیث، قرآن اور تاریخ کے عالم

مفسر اور ترجمان ہونے پر نازاں تھے ہی. موالی طالب علموں کی نیازمندی، عقیدت بلکہ شیفتگی نے عام طور سے صحابہ میں تمکنت پیدا کردی جس نے جلد ہی علمی انانیت کی شکل اختیار کرلی، صحابہ کے بعد حدیث، تاریخ اور تفسیر کی تعلیم واشاعت پر بالعموم غیر عرب نومسلم (موالی) چھا گئے، اور جہاں انہوں نے صحابہ سے علم حاصل کیا وہاں صحابہ کی علمی انانیت بھی اپنالی، جوں جوں حدیث، تاریخ اور تفسیر کی اشاعت وتدریس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا اور شاگردانِ صحابہ کے حلقوں میں طالب علموں کی تعداد بڑھتی گئی، نیز نادار موالی کے علاوہ خوش حال اور حاکم گھرانوں کے عرب لڑکے ان میں داخل ہونے لگے، تابعی معلموں کی علمی انانیت میں بھی اضافہ ہوتا گیا، ان میں علمی رقابت، مسلکی ضد اور دنیا پسندی پیدا ہونے لگی، ان صفات کا تقاضہ تھا کہ جن احادیث وسنن، واقعات اور تفسیر کے وہ خود حامل تھے، جن کو انہوں نے اپنے صحابہ شیوخ سے اخذ کیا تھا وہی مستند، درست اور حجت قرار پائیں اور جن احادیث، واقعات اور تفسیر کی دوسرے صحابہ شیوخ نے دوسرے حلقوں یا بستیوں یا شہروں میں تعلیم دی تھی ان کو ضعیف غیر مستند اور نامقبول قرار دیا جائے، دوسرے لفظوں میں حدیث وآثار کی صحت کا پیمانہ تحقیق، کھوج، درایت اور تعامل کی جگہ افراد بن گئے اور یہ کہاوت صادق آئی کہ یعرِفون الحقَ بالرجال ولا یعرفون الرجالَ بالحق، عربی حکومت کی ساری بستیوں اور بالخصوص صدر مقاموں میں جو خلیفہ، گورنر اور بڑے حکام کے مستقر تھے (جیسے مکہ، مدینہ، صنعا، بصرہ، کوفہ، اصفہان، حمص، دمشق اور فسطاط) علمی انانیت علمی رقابت، مسلکی ضد اور جاہ پسندی کی ہوا چل نکلی، ان صفات کے زیر اثر سنن، آثار، تاریخ اور تفسیر کے سب ان میں بڑے پیمانہ پر وضع[1] کا دروازہ کھل گیا، وضع کی بنیاد رسول اللہ کے زمانہ میں ہی پڑ گئی تھی. خلفائے اربعہ کے عہد میں وضع کا کاروبار اتنا فروغ پر تھا کہ

---

[1] وضع حدیث کے موضوع پر دیکھیے فجر الاسلام احمد امین مصر ۱۹۲۸ء ص ۲۵۵، ۴۰، ۲ وکنز العمال متقی برہانپوری حیدرآباد ہند ۱۳۱۳ھ ۵/۹، ۲ وطبقات ابن سعد لائڈن ۱۳۲۰ھ۔

ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان غنی کسی صحابی کی حدیث بغیر شاہد کے نہیں تسلیم کرتے تھے اور علی حیدر صحابی کی حدیث حلف لے کر مانتے تھے، بیرونی فتوحات کے بعد عرب زندگی عہدِ نبوی کی سادہ، بے تنوع اور بدوی معیشت کے مقابلہ میں کافی پیچیدہ ہوگئی تھی اور ایسے ایسے مسائل رونما ہونے لگے تھے جن کا حل نہ قرآن میں تھا نہ حدیث میں، ہرچند کہ خلفائے اربعہ اپنے فرائض کی انجام دہی اور اپنی زندگی کے معاملات میں بوقت ضرورت بلاتکلف اجتہاد درائے سے کام لیتے تھے جمہور صحابہ جن کا ذہنی افق بالعموم پست تھا اجتہاد درائے کے مخالف تھے، کوئی عرب یا نومسلم شاگرد جب ان کے سامنے ایسے مسائل لے کر آتا جن کا حل قرآن و حدیث میں نہ ہوتا اور ایسے مسائل بہت تھے اور بڑی تیزی سے بڑھتے جارہے تھے، تو وہ بالعموم اپنے اجتہاد سے کام لیتے اور اپنی رائے کو حدیث کا نام دے کر پیش کردیتے، ان کی علمی انانیت اپنے شاگردوں عقیدتمندوں اور نیازمندوں سے یہ کہتے شرماتی اور یہ اعتراف کرتے توہین محسوس کرتی کہ ہمیں ان مسائل کا حل نہیں معلوم، کچھ معلم صحابہ تو خلفائے اربعہ کے آخر عہد تک ہی زندہ رہے، لیکن ان کا بیشتر حصہ امیر معاویہ کی خلافت کے خاتمہ یعنی ۶۰ھ تک رحلت کرگیا، ان کے بعد ان کے درسی حلقوں پر ان کے شاگردوں کا جو زیادہ تر موالی تھے اور جن کا اصطلاحی نام تابعین ہے غلبہ ہوگیا اور بہت سے شاگردوں نے طلبہ کی بڑھتی ہوئی تعداد کے پیشِ نظر نئے حلقے کھول لئے اور یہ سلسلہ بڑھتا اور پھیلتا عباسی دور میں داخل ہوگیا (۱۳۲ھ) تعلیم کی اس ترقی اور وسعت کے ساتھ علمی انانیت، علمی رقابت، مرزبوی عصبیت، مسلکی ہٹ اور جاہ پسندی میں بھی اضافہ ہوتا رہا اور ان صفات کے زیر اثر وضع کا کاروبار شاخ در شاخ اور وسیع تر ہوتا گیا۔

قرنِ اول کے ربع ثالث میں حدیث و آثار، تاریخ اور تفسیر کا سرمایہ کمیت اور کیفیت میں اتنا بڑھ گیا تھا کہ نہ تو قوت حفظ اس کی متحمل ہوسکتی تھی اور نہ ایک معلم کے

لئے اس کا درس دینا آسان تھا، اس لئے دو تبدیلیاں واقع ہوئیں: ایک یہ کہ اس سرمایہ کو اور یہ سرمایہ ہمیں یاد رکھنا چاہیئے کل الصید فی جوف الفرا کا مصداق تھا یعنی اس میں صحیح سنن و آثار، فقہ او اخبار بھی تھے، بگڑے ہوئے، بدلے ہوئے، کم اضافہ والے، زیادہ اضافہ والے اور گڑھے ہوئے بھی، قید تحریر میں نہ لانے کی وہ پابندی جس پر صحابہ کے زمانہ سے بشدت عمل ہوتا رہا تھا، ڈھیلی پڑگئی، اب وہ طالب علم جن کا حافظہ قوی نہ ہوتا اور جو کاغذ کی کم یابی اور گرانی کے نسبتہً کم ہو جانے سے اس کو خریدنے پر پہلے سے زیادہ قادر تھے، بعض صورتوں میں اپنے شیوخ کی چشم پوشی سے اور بعض میں ان سے چھپا کر حدیث و آثار وغیرہ قید تحریر میں لانے لگے، دوسری تبدیلی یہ ہوئی کہ مستد اول مضامین جواب تک ایک ہی شیخ کے ذمہ تھے الگ الگ شیوخ نے سنبھال لئے بالفاظ دیگران مضامین میں ایک قسم کا تخصص اور گیرائی پیدا ہونے لگی، کچھ تو اس دوگونہ تبدیلی کا اور کچھ افادیت کو تقلید جامد پر ترجیح دینے والے حکمراں طبقہ کی ترغیب کا یہ اثر ہوا کہ بڑے شہروں میں حدیث و آثار، تاریخ و مغازی رسول اللہ ؐ، تاریخ اور فتوحات خلفائے اربعہ پر رسالے اور کتابچے لکھے جانے لگے، اس اہم کام کی ابتداء سرکاری قاضیوں، مفتیوں اور حکام طبقہ سے تعلق رکھنے والے علماء کے ہاتھوں عمل میں آئی جیسے (۱) عروہ بن زبیر (متوفی ۹۴ھ)، (۲) ابان بن عثمان (متوفی ۱۰۵ھ) اور (۳) امام زہری (متوفی ۱۲۵ھ)، ان کی دیکھا دیکھی کچھ دوسرے پیشہ ور معلم، محدث، مورخ اور مفسر بھی تحریر و کتابت کی طرف مائل ہونے لگے، قرن اول کے ختم ہوتے ہوتے حدیث تاریخ اور تفسیر پر سینکڑوں رسالے تالیف ہو چکے تھے لیکن یہ رسالے اور کتابچے ہم کو یاد رکھنا چاہیئے نشر و اشاعت کے لئے نہیں تھے بلکہ لکھنے والوں کی اپنی سہولت، مطالعہ اور مراجعت کے لئے مرتب کئے گئے تھے، وہ ان کی مدد سے معلومات مستحضر رکھتے، طلبہ کو درس دیتے یا قانونی فیصلے اور فتوے مستنبط کرتے، لیکن طلبہ کو ان سے نقل کرنے کی

اجازت نہ تھی، زبانی نشر و اشاعت اور حافظہ کی کتاب پر اعتماد علمی فضا میں ایسا رس بس گیا تھا اور صحابہ کے زمانہ سے اس پر ایسا اصرار رہا تھا کہ بیشتر معلم، محدث، مورخ اور مفسر جو معاشرہ پر چھائے ہوئے تھے اور جن کی گرفت عوام پر سخت تھی ایسی حدیث خبر یا تفسیر کو ساقط الاعتبار سمجھتے تھے جو شیخ کی بجائے کتاب سے لی گئی ہو، کتاب سے استفادہ کرنے والے کو صحفی کے حقارت آمیز لقب سے یاد کیا جاتا تھا، ایسے عالم کی سماج میں نہ عزت تھی، نہ اس کے علم کی کوئی قدر، ایک دو نہیں دسیوں محدثوں اور مورخوں کے نام تذکروں میں ملتے ہیں جنہوں نے اپنے مطالعے کے لئے مجموعے بنا لئے تھے لیکن اس ڈر سے کہ کہیں لوگ نقل نہ کرلیں مرتے وقت اُن کو تلف کر دیا تھا۔

زبانی روایت کے ان خطوط پر سنن، آثار تاریخ اور تفسیر کا قافلہ چلتا رہا وقتی ضرورت کے مطابق جزوی تغیرات سے متاثر ہوتا ہوا یہاں تک کہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں جب چینی کاغذ کے اسلامی قلمرو میں رواج، ارزانی اور بہتات نیز عباسی حکومت کے فارسی حکام و امراء کی ترغیب سے بڑے پیمانہ پر علومِ اسلامیہ کو قلمبند اور مرتب کرنے کا دور شروع ہوا تو اس وقت سنن، آثار، فقہ اور تفسیر کے ہزاروں چھوٹے بڑے مدارس کے علاوہ ساری عرب دنیا میں درجنوں مکاتیب تاریخ اپنے اپنے شیوخ کی روایت کردہ معارف کے تحفظ اور ان کی تعلیم و اشاعت میں مصروف تھے۔ ان میں سے وہ سکول جن کو اپنے تاریخی معارف کی غرابت، نامقبولیت یا عام ڈگرے انحراف کے باعث تقلید پسند عوام اور مقتدر اکابر کی حمایت حاصل نہ ہو سکی، مٹ گئے یا گوشہ خمول میں جا پڑے، جن اسکولوں کو عوام اور باثر اکابر دولت کی حمایت حاصل ہوئی ان کو قبولِ عام نصیب ہوا اور ان کے معارف کو تاریخی مؤلفات میں جگہ ملی، تاریخ کے شعبہ میں جو اسکول پائندہ اور سربلند رہے، عوام یا خواص اور حکمرانوں کی تائید و حمایت سے بہرہ ور، اُن میں یہ پانچ سب سے زیادہ مشہور ہیں:۔

محمد بن اسحاق کا اسکول، سیف بن عمر کا اسکول، ابن الکلبی کا اسکول، واقدی کا اسکول، مدائنی کا اسکول پہلی اور دوسری صدی ہجری کی تاریخ اکثر و بیشتر ان ہی اسکولوں کی معرفت ہم تک پہنچی ہے انہی اسکولوں کے اقتباسات طبری کی سب سے جامع تاریخ الامم، فتوحات پر بلاذری کی اہم تالیف فتوح البلدان اور قرون اول کے اعیان و اکابر کے قیمتی احوال پر مشتمل اس کی دوسری کتاب انساب الاشراف میں جمع کر لئے گئے ہیں، رسول اللہ کے حالات و مغازی، ردہ لڑائیاں، خلفائے اربعہ کے فتوحات، خلافت و اقتدار کے لئے قریش کے دو خاندانوں کی باہمی آویزش، عربوں کی خانہ جنگیوں، خلفائے اُمیہ اور عباسی حکومت کے حالات بیشتر ان ہی اسکولوں سے مستعار لئے گئے ہیں اور یہی اسکول عثمان غنی، ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور علی حیدر کے سرکاری خطوط کا سب سے بڑا ماخذ بھی ہیں۔

ان پانچوں اسکولوں کے تاریخی بیانات کا مقابلہ کیا جاتا ہے تو یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ بڑی حد تک ایک دوسرے سے مختلف ہیں، کسی واقعہ کے جزئیات و تفاصیل ہوں یا روپیہ پیسہ، فوج لشکر، مقتولین و شہداء کے اعداد و شمار ہوں یا موت، ولادت فتح و شکست کے حیثیت اور سال ہوں، یہ اسکول شاذ و نادر ہی ان امور میں متفق اور متحد نظر آتے ہیں، ان کے مجموعی اتفاق کا تناسب آپ پانچ سات فی صد سے زیادہ نہیں پائیں گے جزئیات، تفاصیل، اعداد و شمار اور سنین کے اختلاف کے علاوہ ان کے بیانات ایک دوسرے سے متضاد اور متناقض بھی ہوتے ہیں، یہ اختلاف و تناقض اُن کے بیان کردہ خطوں میں بھی موجود ہے خواہ وہ خط ابوبکر صدیق کے ہوں یا عمر فاروق کے یا عثمان غنی یا علی حیدر کے یا کسی دوسرے خلیفہ اور حاکم کے، اس اختلاف و تضاد کی وجہ یہ ہے کہ عربی سنن، آثار، فقہ، تاریخ اور تفسیر کی بنیاد کتاب و تحریر کی بجائے زبانی روایت پر استوار ہوتی ہے اور زبانی روایت میں لفظی و معنوی

[illegible] صدی کے ربع آخر میں وفات پائی [illegible]

تصوف، تحریف، بگاڑ اور وضع کے دروازے کھلے رہتے ہیں، اِن علوم کو ایک دو یا دس پانچ سال تک نہیں، پچاسوں اور سینکڑوں برس تک ایک دو یا دس پانچ افراد نہیں بلکہ سینکڑوں ہزاروں افراد بیان کرتے رہے۔ افراد جن کی ذہنی و فکری سطح، جن کے شیوخ جن کے فقہی مسلک اور وفاداریاں، جن کے وطن اور مرز بوم الگ الگ تھے اور جو علمی انانیت، علمی رقابت اور علمی، مسلکی نیز مرز بوی تعصب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، اگر حافظہ کی نارسائی اور خطا کاری سے ذرا دیر کے لئے نظر ہٹا بھی لی جائے تو اِن صفات سے متصف رُواۃ (اِسناد) پر کیونکر بھروسہ کیا جا سکتا ہے، اگر اسناد صحتِ متن کی ضامن ہوتی تو بخاری چھ لاکھ حدیثوں سے چار ہزار حدیثیں چھانٹنے پر مجبور نہ ہوتے اور اس کے باوجود چونکہ اُن کا اعتماد بھی اسناد ہی پر ہے اُن کی صحیح میں ایسی حدیثیں موجود ہیں جو قانونِ قدرت اور شانِ نبوی کے خلاف ہیں، مثال کے طور پر یہ حدیث لیجیے:

من اصطبح کل یوم سبع تمرات من عجوۃ لم یضرہ سُم ولا سحر ذلک الیوم الی اللیل۔

جو شخص ہر روز صبح کو مدینہ کی بڑھیا کھجور عجوہ کے سات دانے کھاتا رہے گا اس کو نہ زہر نقصان پہنچا سکتا ہے نہ جادو۔ اس حدیث کے راوی (اِسناد) بخاری کے بلند معیار کی رو سے ثقہ ہیں لیکن اس کا مضمون ایسا ہے جس کو قبول کرنے سے مشاہداتِ زندگی اور قانونِ قدرت ابا کرتے ہیں اور جس کی کوئی ذی عقل وکالت نہیں کر سکتا کیونکہ زہر کھانے والا اگر سات کھجور کیا سات سو کھجور بھی کھالے تب بھی وہ زندہ نہیں رہ سکتا، یہ زندگی کا عام مشاہدہ اور قدرت کا ضابطہ ہے، ایسی پوچ بات نبی کیسے کہہ سکتا ہے۔

مذکورہ بالا پانچوں اسکولوں کے تاریخی اختلاف و تناقض کی مثالیں یہاں پیش کرنے کا موقع نہیں، قارئین خود بھی طبری وغیرہ کے مطالعہ سے ان کا ادراک کر سکتے ہیں

لہ نجرالاسلام ۲۵۹ ۔

یہاں ہم پہلے تین؎ خلفاء کے سرکاری خطوط کے مضمونی اختلاف اور تناقض کی چند مثالیں پیش کرنے اور ان سے مستنبط ہونے والے نتائج کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ابوبکر صدیقؓ کے خطوط
(مضمونی اختلاف کی مثالیں)

(۱) جنگِ یمامہ کے بعد خالد بن ولید کے نام:۔

خط کی پہلی شکل

"میں تم کو جنگ عراق کا سپہ سالار مقرر کرتا ہوں، اُن لوگوں کی ایک فوج مرتب کرو جو اسلام پر قائم ہیں، یمامہ سے عراق تک تمہارے راستہ میں قبائلِ تمیم، قیس، اسد، بکر بن وائل اور عبد القیس کے جو مرتد آئیں اُن سے جنگ کرو، پھر فارس (عراق) کی طرف پیش قدمی کرو اور اللہ عزوجل سے فتح اور کامرانی کی دعا مانگو، عراق میں داخل ہو کر سب سے پہلے فرج ہند (بندرگاہ اُبلّہ) کو فتح کرو، فارسیوں اور اُن اقوام کی جو فارسی حکومت کی رعایا ہوں تالیفِ قلب کرو، تم سے کوئی ظلم ہو تو مظلوم کو خود سے پورا پورا حق لینے کا موقع دو، تمہارا تعلق ایک ایسی قوم سے ہے جسے لوگوں کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے، خدا سے ملتجی ہوں کہ جن لوگوں کو ہماری برادری میں داخل کرے ان کو اسلام کا بہترین پیرو بنائے، اگر تم کو خدا کی عنایت سے اُبلہ میں فتح نصیب ہو تو عراق (بالائی عراق) کا رخ کرنا اور کمانڈر

؎ تین کی تحدید کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر خلفاء اور اکابر کے خطوط میں اختلاف و تضاد نہیں، اس تحدید کا مقصد صرف یہ ہے کہ اختصار کی خاطر یہاں ہم ان تینوں کے مراسلوں سے تجاوز کرنا نہیں چاہتے۔

عیاض (بن غنمؓ) سے مل جانا۔[1]"

خط کی دوسری شکل

"عراق کا رُخ کرو اور اُس کے حدود میں گھس جاؤ، سب سے پہلے فرج ہند (بندرگاہ اُبلّہ) کی فتح پر ہمت مبذول کرو، اہلِ فارس اور ان اقوام کی جو اُن کے ملک میں ہوں تالیفِ قلب کرو۔[2]"

خط کی تیسری شکل

"خدا نے یمامہ میں تم کو فتح عطا کی، اب عراق (بالائی عراق) کی طرف بڑھو اور عیاض (بن غنمؓ) سے مل جاؤ۔[3]"

یہاں پہلا خط چودہ سطروں میں ہے، دوسرا صرف تین میں اور تیسرا صرف دو میں، مشترک مضمون: خالد کا عراق کی سپہ سالاری پر تقرر۔

(۲) فرمانِ جانشینی:

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فرمان ہے ابوبکر بن ابی قحافہ کی طرف سے جو زندگی کی آخری منزل سے آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے جہاں (حقیقت ایسی بے نقاب ہو کر سامنے آئے گی کہ) کافر ایمان لانے، بدکار سزا کا یقین کرنے اور جھوٹے سچ بولنے پر مجبور ہوں گے، میں اپنے بعد عمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، آپ کا فرض ہے کہ ان کی ہدایت اور حکم کے مطابق عمل کریں، اُن کا انتخاب کر کے میں نے اپنے بس بھر اللہ اس کے دین، اپنے ضمیر اور مسلمانوں کی بہبودی کے تقاضے پورے کرنے کی کوشش کی ہے، مجھے پوری امید ہے کہ عمر عدل و انصاف سے کام لیں گے، لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو ہر شخص کی طرح وہ اپنے اعمال کے

۱؎ الاکتفا، کلاعی بلنسی قلمی ص۲۵ ۲؎ سیف بن عمر۔ طبری ۴/۲ ۳؎ سیف بن عمر طبری ۴/۲۔

کے ذمہ دار ہوں گے، میں نے تو بہر حال مسلمانوں کی بہبودی چاہی ہے اور غیبی امور میرے علم سے باہر ہیں۔ وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون۔ عنقریب ظالم جان لیں گے کہ اُن کی بد اعمالی کی سزا جہنم ہے، وَالسّلام علیکم و رحمۃ اللہ۔"[۱]

فرمان کی دوسری شکل

"یہ فرمان ہے ابو بکر خلیفۂ رسول اللہؐ کا جو زندگی کی آخری منزل سے آخرت کی پہلی منزل میں داخل ہو رہا ہے کہ میں نے عمر بن خطاب کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے، مجھے توقع تو یہی ہے کہ وہ عدل و راستبازی سے کام لیں گے لیکن اگر وہ ایسا نہ کریں تو مجھ پر اس کی ذمہ داری نہیں کیونکہ غیبی امور میرے علم سے باہر ہیں، میں نے بہر حال مسلمانوں کی بہتری چاہی ہے، ہر شخص کو اس کی بد اعمالی کی سزا ملے گی۔ وسیعلم الذین ظلموا أی منقلب ینقلبون[۲]۔"

فرمان کی تیسری شکل

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ فرمان ہے ابو بکر خلیفۂ رسول اللہؐ کا مومنوں اور مسلمانوں کو، سلام علیکم، خدا کی حمد و ثنا کے بعد واضح ہو کہ میں نے عمر بن خطاب کو آپ کا خلیفہ مقرر کیا ہے، ان کی اطاعت کیجئے اور ان کا حکم مانئے، ان کا انتخاب کر کے میں نے اپنے مقدور بھر آپ کی بہبودی پیشِ نظر رکھی ہے، والسلام[۳]۔"

---

[۱] مدائنی کنز العمال ۳/۱۴۵-۱۴۶ و ۶/۳۲۴ تھوڑے فرق کے ساتھ و صبح الاعشیٰ قلقشندی مصر ۹/۳۵۹

[۲] صبح الاعشیٰ ۹/۳۵۹ [۳] تاریخ یعقوبی نجف ایڈیشن ۱۱۵۔

مضمونی تناقض کی مثالیں

(۳) زیاد بن لبید اور مہاجر بن ابی امیّہ کے نام، حضرموت کے قلعہ نجیر میں بنو کندہ کے باغی محصورین کے متعلق جن کا محاصرہ زیاد بن لبید اور مہاجر بن ابی امیّہ کیے ہوئے تھے:

زیاد بن لبید کے نام

"اگر محصورین نجیر ہار کر تمہارے قبضہ میں آجائیں تو ان کو قتل نہ کرنا۔"[۱]

مہاجر بن ابی امیّہ کے نام

"میرا یہ خط موصول ہونے کے بعد اگر بنو کندہ پر تم کو فتح حاصل ہو تو اُن کے جوانوں کو قتل کر دینا اور بال بچوں کو غلام بنالینا، یہ اس صورت میں جب فتح بزور شمشیر حاصل ہو یا وہ اس شرط پر ہتھیار ڈالیں کہ ان کی قسمت کا فیصلہ میری صوابدید سے ہو لیکن اگر خط پانے سے پہلے تمہاری اُن سے صلح ہو چکی ہو تو اس کو میں اس شرط پر قبول کر سکتا ہوں کہ وہ جلاوطنی اختیار کریں، میں نہیں چاہتا کہ اُن کو اسلام سے بغاوت کے بعد (چین سے) اُن کو گھروں اور وطن میں رہنے دوں، میں چاہتا ہوں کہ ان کو اپنی بدکرداری کا احساس ہو، اور اپنے کیے کا مزہ چکھیں۔"[۲]

عمر فاروق کے خطوط

مضمونی اختلاف کی مثالیں

(۱) بیت المقدس (ایلیا) کا صلحنامہ جو عمر فاروق نے خود شام جا کر لکھا۔

---

[۱] الکفار ص۱۔ [۲] سیف بن عمر تاریخ الامم طبری ۳/۲/۲ و تاریخ یعقوبی لائڈن ۲/۹۲

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ عبد اللہ عمر امیر المومنین نے امان دی اہلِ ایلیار (بیت المقدس) کی جان، مال، عبادتگاہوں، صلیبوں، شہر کے بیمار و تندرستوں اور ہر مذہب وملت کے لوگوں کو، ان کے کنیسوں میں سکونت اختیار نہیں کی جائے گی، نہ ان کو ڈھایا جائے گا، نہ ان کا یا ان کی جائے وقوع یا اہلِ ایلیار کی (سونے چاندی کی) صلیبوں یا ان کے مال و دولت کا کوئی حصہ کم کیا جائے گا، ان کو اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کیا جائیگا اور نہ کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائے گا اور نہ اُن کے ساتھ ایلیار میں کسی یہودی کو رکھا جائے گا، اہلِ ایلیار پر لازم ہے کہ اتنا جزیہ دیں جتنا شام کے دوسرے شہر ادا کرتے ہیں، ان پر لازم ہے کہ ایلیار سے رومیوں اور ڈاکوؤں کو نکال دیں، جو رومی نکلیں گے ان کی جان اور مال رومی حکومت کی عملداری میں پہنچنے تک محفوظ رہے گی اور جو رومی ٹھہرنا چاہیں ان کو بھی امان ہے بشرطیکہ وہ اہلِ ایلیار کے برابر جزیہ دینے کو تیار ہوں (ایلیار کے اصلی باشندوں میں سے) جو اپنے گرجے چھوڑ کر اور مال ومتاع لے کر رومیوں کے ساتھ جانا چاہیں۔ وہ اور ان کے کنیسے صلیبیں اُس وقت تک محفوظ رہیں گی جب تک وہ رومی حکومت کی عملداری میں نہ پہنچ جائیں گے، ایلیار میں فلاں کے قتل (؟) سے پہلے جو کاشتکار مقیم تھے اُن میں سے جو چاہیں جزیہ دے کر وہاں (ایلیار) رہ سکتے ہیں اور جو چاہیں رومیوں کے ساتھ جا سکتے ہیں اور جو چاہیں اپنے اہل وعیال کے پاس لوٹ جائیں، ان کاشتکاروں سے اگلی فصل کٹنے تک لگان نہیں لیا جائے گا، اس صلحنامہ کی پابندی کا ذمہ اللہ اور اس کے رسول، خلفار اور مسلمان لیتے ہیں، بشرطیکہ اہل ایلیار مقررہ

جزیہ ادا کرتے رہیں[۱]۔

صلحنامہ کی دوسری شکل

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر عمر بن خطاب نے بیت المقدس کے باشندوں کے لئے (بطور دستاویز) لکھ دی ہے کہ تمہاری جان، مال اور گرجوں کو امان دی جاتی ہے، گرجوں میں نہ تو کسی (مسلمان) کو رکھا جائے گا اور نہ ان کو گرایا جائے گا بشرطیکہ تم کوئی بڑی بغاوت یا عہد شکنی نہ کرو[۲]۔

(۲) گورنر بصرہ مُغیرہ بن شعبہ اور بقول بعض اُن کے جانشین ابو موسیٰ اشعری کے نام:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ تحریر عبداللہ عمر امیر المومنین کی طرف سے مُغیرہ بن شُعبہ کے نام ہے، سلام علیک، میں اس اللہ کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں، واضح ہو کہ ابو عبداللہ (صحابی نافع) نے مجھے بتایا ہے کہ (عُتبہ) بن غزوان کے عہد میں انھوں نے بصرہ (کے قریب) کاشت کی اور سب سے پہلے گھوڑے پالے، لائق تحسین ہے ابو عبداللہ کا یہ اقدام! تم کاشت اور گھوڑے پالنے کے کام میں ان کی مدد کرو، میں نے ان کو کاشت کرنے کی اجازت دے دی ہے، تم ان کو وہ قطعہ دے دو جو انہوں نے جوتا بویا ہے بشرطیکہ وہ جزیہ گذار فارسیوں کی زمین نہ ہو اور نہ ان کے علاقہ کے دریاؤں سے سیراب ہوتا ہو، میں نافع کے ساتھ حسنِ سلوک کی سفارش کرتا ہوں، والسلام علیک و رحمۃ اللہ[۳]"

خط کی دوسری شکل

"ابو عبداللہ نے دجلہ کے کنارہ (دجلہ۔ فرات کے ڈیلٹا کے کنارہ) مجھ سے

---

[۱] طبری ۴/۱۰۹ [۲] تاریخ یعقوبی نجف ایڈیشن ۲/۱۱۵ [۳] فتوح البلدان بلاذری مصر ۱۹۰۱ء ص ۳۵۹

ایک قطعہ زمین گھوڑے پالنے کے لئے مانگی ہے، اگر یہ قطعہ جزیہ گذار اراضی میں نہ ہو اور نہ جزیہ گذار علاقہ کے دریا اور نہروں سے اس کی سینچائی ہوتی ہو تو اُن کو دے دو۔[۱]"

(۳) حُذیفہ بن یمان کے نام، صحابی حُذیفہ عراق کی لگان بندی کے کمشنر تھے، انہوں نے ایک ذمی عورت سے شادی کی، اس کی خبر عمر فاروق کو ہوئی تو انہوں نے لکھ بھیجا کہ ذمی عورت کو طلاق دے دو، حُذیفہ نے احتجاج کیا کہ قرآن میں ذمی عورت سے شادی جائز ہے، پھر آپ کیوں روکتے ہیں تو جواب آیا:۔

"کتابی عورت سے شادی تو جائز ہے لیکن چونکہ عجمی عورتیں دلفریب ہوتی ہیں اس لیے اگر تم نے ان سے شادی کی تو وہ تمہاری (عرب) عورتوں پر چھا جائیں گی۔[۲]"

خط کی دوسری شکل

"میں تاکید کرتا ہوں کہ میرا خط پاتے ہی (اپنی ذمی) بیوی کو طلاق دے دو مجھے ڈر ہے کہ دوسرے مسلمان (ذمی عورتوں کا حسن دیکھ کر) تمہاری پیروی میں ان سے شادی بیاہ کرنے لگیں گے اور اس اقدام سے عرب عورتیں مصیبت میں پڑ جائیں گی۔[۳]"

خط کی تیسری شکل

"ذمی عورت سے نکاح تو حرام نہیں لیکن مجھے ڈر ہے کہیں تم ذمی رنڈیوں سے شادی بیاہ نہ کرنے لگو۔[۴]"

(۴) فاتح مصر عمرو بن عاص کے نام، مفتوحہ اراضی کو فوج میں تقسیم کرنے کی

۱؎ فتوح البلادان ص۲۶۳ ۲؎ سیف بن عمر۔ طبری ۴/۱۳۷ ۳؎ ازالۃ الخفاء شاہ ولی اللہ ۲/۱۱۱ و ۱۰۱ ۴؎ احکام القرآن جصاص مصر ۱۳۳۵ھ ۲/۳۲۳۔

ممانعت سے متعلق:-

"اراضی زمینداروں کے پاس رہنے دو (اور لگان لگاؤ) تاکہ آنے والی (مسلمان) نسلیں اس کی آمدنی سے جہاد کر سکیں[۱]"۔

خط کی دوسری شکل

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم مسلمانوں کی تنخواہوں اور مجاہدوں کے مصارف کو غصب کرنا چاہتے ہو، کیونکہ اگر مصر کی اراضی تمہارے درمیان بانٹ دوں تو اگلی نسلیں دشمنوں سے جہاد کے لئے مسلح نہ ہو سکیں گی اگر میرے ذمہ ناداروں اور مجاہدوں کے وظیفے اور سرکاری ملازموں کی تنخواہیں نہ ہوتیں تو میں مصر کی اراضی بانٹ دیتا، لہٰذا اسے اس وقت تک کے لئے وقف کر دو جب تک مسلمان مجاہدوں کی آخری جماعت باقی ہے، والسلام[۲]"۔

مضمونی تناقض کی مثالیں

(۱) گورنر یمن یعلیٰ بن مُنیہ کے نام، عنبر پر محصول کے بارے میں:-

"عنبر خداوندی تحفہ ہے، اس پر اور سمندر سے جو کچھ برآمد ہو بیس فی صد محصول لیا جائے[۳]"۔

خط کی دوسری شکل

"سمندر سے جو موتی اور عنبر برآمد ہو اس پر دس فی صد ٹیکس وصول کرو[۴]"۔

---

[۱] فتوح البلدان ص۲۱۵ و فتوح مصر ابن عبد الحکم لائڈن سن ۱۹۲۲ء، ص۲۶۳ و کتاب الاموال ابن سلام مصر ص۵۸ [۲] شرح معانی الآثار طحاوی دہلی سن ۱۳۰۰ھ ۲/ ۱۴۵-۱۴۶ [۳] کتاب الخراج ابو یوسف ص۷۰ [۴] کتاب الاموال ابن سلام ص۳۴۸ -

(۲) عراقی افواج کے سپہ سالار سعد بن ابی وقاص کے نام، سعد کے پاس فتح قادسیہ کے دوسرے دن ایک کمک قیس بن مکشوح مرادی کی سرکردگی میں پہنچی اور مال غنیمت کا حصہ طلب کیا، سعد اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور خلیفہ سے رجوع کیا تو یہ جواب آیا:-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سلام علیک، میں اس معبود کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں اور اس کے نبی محمدؐ پر درود بھیجتا ہوں، تمہارا خط ملا، اس فتح کے لئے خدا کا بہت بہت شکر گذار ہوں جو تمہارے ہاتھوں اس نے عطا کی، خدا نے تمہارا حاکم بنا کر مجھے آزمائش میں ڈالا ہے جس طرح تم کو میرا ماتحت بنا کر تمہاری آزمائش کی ہے، (دانی و اللہ لا أخشی شیئاً أعلمہ وأما إذا اجتمع صلح) جب حاکم ہمدرد ہو اور رعایا اس کی خیر اندیش تو حاکم کا فرض ہے کہ رعایا کے ساتھ اچھا برتاؤ کرے اور رعایا کا فرض ہے کہ صبر اور شکر سے کام لے، رہا مالِ غنیمت تو وہ ان لوگوں کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوں اور جو لوگ جنگ ختم ہونے کے تین دن بعد آئیں ان کو بھی مالِ غنیمت کا کچھ حصہ ملنا چاہیئے، تمہارے جو غلام جنگ میں شریک ہوں اور اس کے خاتمہ کے بعد تین دن کے اندر اندر آزاد کر دیئے جائیں تو وہ بھی مالِ غنیمت سے حصہ کے مستحق ہیں، جو مال و متاع بطور غنیمت تمہارے قبضہ میں آئے اس کی تقسیم انصاف سے کرو۔"[1]

خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ مالِ غنیمت اُن لوگوں کا حق ہے جو جنگ میں شریک ہوں لیکن جو لوگ بطور کمک جنگ ختم ہونے کے بعد تین دن کے اندر اندر آ جائیں

---

[1] فتوح الشام واقدی مصر ۲/۱۱۵۔

اُن کو بھی غنیمت کا کچھ حصہ ملنا چاہیے، اہل معاہدہ میں سے جن لوگوں نے تمہاری مدد کی ہو اور جنگ کے بعد تین دن کے اندر اندر مسلمان ہو گئے ہوں اور جو غلام جنگ میں تمہارے ساتھ لڑے ہوں اور اس کے بعد تین دن کے اندر آزاد ہو گئے ہوں اُن سب کو غنیمت میں شریک کرو۔[1]"

خط کی تیسری شکل

"اگر قیس (ابن مکشوح) مقتولین کے دفن سے پہلے آ گئے ہوں تو اُن کو بھی (غنیمت سے) حصہ دو۔[2]"

(۳) گورنر بصرہ ابو موسیٰ اشعری نے عمر فاروق کو لکھا کہ مسلمان فارسیوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں اور طیش میں آ کر قتل کر دیتے ہیں، اُن کو کیا سزا دی جائے تو جواب آیا:-

"فارسی اصولاً غلام ہیں، اُن کے مقتولین کا خوں بہا ایک غلام کی قیمت کے بقدر مقرر کر دو۔[3]"

گورنر کوفہ کے نام اُس مسلمان کے بارے میں جس نے ایک ذمی کو قتل کیا تھا:-

"قاتل کو مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دو، وہ چاہیں اس کو قتل کر دیں اور چاہیں معاف کر دیں۔[4]"

عثمان غنی کے خطوط

مضمونی اختلاف

(۱) ولید بن عقبہ کے نام معلم کوفہ صحابی عبداللہ بن مسعود کی مخالفانہ سرگرمیوں کی شکایت پر:-

---

[1] ہمدانی۔ الکفاء ص ۲۹۹ ۔ [2] فتوح البلدان ص ۲۵۰ ۔ [3] کنز العمال، ۲/۳۰۴۱، اس وقت بصرہ میں ایک غلام کی قیمت تین سو روپے تھی۔ [4] جامع مسانید ابی حنیفہ خوارزمی حیدرآباد ہند ۱۳۳۲ھ ۱/۱۷۷۔

"اسلام اور مسلمانوں کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو یہاں بھیج دو۔"[۱]

خط کی دوسری شکل

"اگر عبداللہ لعن طعن چھوڑ دیں تو خیر ورنہ ان کو یہاں بھیج دو۔"[۲]

(۲) اکابر کوفہ کے نام، ولید بن عقبہ (گورنر کوفہ) کی معزولی اور سعید بن عاص کے تقرر سے متعلق :-

"واضح ہو کہ میں نے ولید بن عقبہ کو جب وہ پختہ عقل اور حرص وآز سے پاک وصاف ہو چکے تھے آپ کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کو تاکید کی تھی کہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں لیکن آپ کو ان کے ساتھ اپنا طرز عمل درست رکھنے کی ہدایت نہیں کی تھی، جب آپ کو ان کے ظاہر میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تو آپ نے ان کے باطن پر دار کیا، اب میں سعید بن عاص کو گورنر بنا کر بھیج رہا ہوں وہ اپنے خاندان میں سب سے زیادہ صالح آدمی ہیں، میں آپ کو تاکید کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ کوئی بدعنوانی نہ کریں اور اپنے زیر اثر لوگوں کو بھی اس بات کی فہمائش کر دیں۔"[۳]

خط کی دوسری شکل

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ خدا کی حمد اور رسول اللہ پر درود کے بعد اہل کوفہ کو عبداللہ عثمان کی طرف سے سلام، واضح ہو کہ کوفیوں کی ایک جماعت میرے پاس آئی اور ولید بن عقبہ کی شکایت کی اور اس بات کی شہادت دی کہ انہوں نے شراب پی، اگر یہ شہادت ٹھیک تھی تو آپ کو معلوم ہونا چاہئے

۱۔ تاریخ یعقوبی نجف ۲/۱۴۳۔ ۲۔ عیون الاخبار ادریس بن حسن انف قمی ۲/۲۰۔ ۳۔ العقد الفرید ابن عبد ربہ مصر ۱۳۵۳ھ ۳/۹۱-۹۲۔

کہ ولید کو حدِ شراب لگادی گئی ہے اور اگر ان پر جھوٹا الزام تھا تو جھوٹوں کو خدا سزا دے گا، اس شکایت اور حدِ شراب کے بعد میں نے ولید کو گورنری سے معزول کر دیا ہے اور ان کی جگہ سعید بن عاص کو جو خاندانی شریف ہیں کوفہ کا گورنر مقرر کیا ہے، آپ لوگ خدائے جبار سے ڈریئے سعید کا کہا مانئے اور ان کے ساتھ تعاون کیجئے، حکومت کی خیر اندیشی اور مناصرت آپ کا فرض ہے اتعلی ہے کام نہ لیجئے، نہ غیبت کیجئے اور نہ الزام لگایئے، سعید کا جو آپ کے گورنر ہیں شایان شان احترام کیجئے اور خلیفہ کے حکم کی خلاف ورزی نہ کیجئے، میں نے سعید کو تاکید کر دی ہے کہ عدل و انصاف سے کام لیں اور سب کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئیں والسلام علیکم ورحمۃ اللہ"[1]

(۳) معاویہ بن ابی سفیان کے نام، شام میں صحابی ابو ذر کی حکومت دشمن سرگرمیوں کی شکایت پر:-

"سول وار کے سانڈ نے نتھنے اور آنکھیں پھلالی ہیں اور جست لگانا ہی چاہتا ہے، اس کے زخم مت کریدو، ابو ذر کو میرے پاس بھیج دو، ان کے ساتھ زاد راہ اور ایک رہبر بھی کرو، نیز لطف و محبت سے پیش آؤ، جہاں تک ہو سکے نہ خود زیادتی کرو نہ اپنے ماتحتوں کو کرنے دو"[2]

خط کی دوسری شکل

"تمہارا خط موصول ہوا، ابو ذر کے حالات معلوم ہوئے، میرا خط پاتے ہی ان کو ننگے پالان پر سوار کرنا اور ایک ایسے سخت ساربان کو ان کے ہمراہ کرنا جو رات دن اونٹ چلائے تاکہ ابو ذر پر خواب طاری ہو جائے

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۳۰۲۔ [2] سیف بن عمر۔ طبری ۵/ ۶۶۔

اور وہ میرے اور تمہارے ذکر سے غافل ہو جائیں۔[۱]"

خط کی تیسری شکل

"جُندُب (ابوذر) کو ایک سخت اور تکلیف دہ اونٹ پر سوار کر کے میرے پاس بھیج دو۔[۲]"

خط کی چوتھی شکل

"میرا خط پا کر جُندُب بن جنادہ (ابوذر) کو ننگے پالان پر بٹھا کر یہاں بھیج دو۔[۳]"

مضمونی تناقض کی مثال

(۱) حبیب بن مسلمہ کے نام[۴] حبیب اَرمینیہ میں عرب فوج کے سپہ سالار تھے، وہاں کا بازنطینی گورنر ملک کے رئیسوں اور قیصر کی افواج کا ایک بڑا دَل لے کر حبیب کو ملک سے نکالنے کے لئے بڑھا، حبیب نے خلیفہ سے مدد مانگی، اُن کے حکم سے گورنر کوفہ نے سات آٹھ ہزار آدمی اَرمینیہ بھیجے، لیکن ان کے محاذ پر پہنچنے سے پہلے حبیب دشمن کو شکست دے چکے تھے، نو واردوں نے کہا مالِ غنیمت کے ہم بھی حقدار ہیں، ہم کو بھی حصہ ملنا چاہیئے، حبیب اور ان کی فوج کے اکابر اس کے لئے تیار نہ ہوئے، ملک اور حبیب کی فوج لڑنے مرنے کو تیار ہو گئی، حبیب نے مرکز سے شکایت کی تو جواب آیا:

"مالِ غنیمت کے حقدار صرف شام کے مجاہد ہیں۔[۵]"

دوسری شکل

"اہلِ عراق کی کمک کو بھی مالِ غنیمت میں شریک کرو۔[۶]"

---

[۱] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۲۹۳۔ [۲] شرح نہج البلاغۃ ۲۴۱/۱ [۳] عیون الاخبار قلمی ۲۶۸/۲۔ [۴] یعنی حبیب بن مسلمہ کے فوجی۔ [۵] فتوح البلدان طبع لائڈن ص۱۹۵۔ [۶] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۶۰۔

خلفائے ثلاثہ کے ایسے خطوط جن کے متعدد نسخے ہیں اُن خطوط سے تعداد میں کافی کم ہیں جن کا صرف ایک ہی نسخہ موجود ہے لیکن یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ان میں کوئی تصرف نہیں ہوا یا ان کی مضمونی سالمیت کے بارے میں سب اسکول متفق الخیال ہیں، ایک نسخہ ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہماری رسائی دوسرے نسخوں تک نہیں ہوئی اگر دوسرے نسخے ہم کو مل جاتے اور ہمیں امید ہے پرانی کتابوں اور مراجع کی کھوج کے اس دور میں وہ برابر ملتے رہیں گے تو ان میں بالکل اسی طرح کا مضمونی اختلاف اور تضاد ہوتا جیسا کہ متذکرہ بالا مثالوں میں پایا جاتا ہے، اس اختلاف و تضاد کی روشنی میں خلفائے ثلاثہ کے خطوط کے بارے میں یہ نتائج نکلتے ہیں:۔

(۱) اُن کے کسی ایک خط کے متعلق بھی قطعی طور پر نہیں کہا جاسکتا کہ وہ لفظاً و معناً مکتوب اصل کی نقل ہے۔

(۲) متعدد نسخے والے خطوط کے اُن حصوں کے بارے میں جن کا مضمون مشترک ہو کہا جاسکتا ہے کہ وہ اصل خط کا لب لباب یا مدعا پیش کرتے ہیں، رہے غیر مشترک حصے، تفصیلات اور اضافے تو وہ راویوں کے تصرفات ہیں، کبھی راوی ان تصرفات کے ذریعہ اپنے ذاتی نظریات کے لئے (ان کو خلیفہ کی طرف منسوب کرکے) جواز و استناد حاصل کرتے کبھی مقصد یہ ہوتا کہ ان کے ذریعہ خلیفہ میں تقدس، عظمت اور خدا ترسی کی شان پیدا کی جائے، اور کبھی مدعا یہ ہوتا کہ خلیفہ کی شخصیت میں مذہبیت راستبازی، انکسار، رعایا دوستی، ترک دنیا، زہد اور عدل جیسے صفات کے رنگ گہرے کرکے قارئین کو متأثر کیا جائے۔

(۳) جو خط جتنے زیادہ لمبے ہیں وہ اتنا ہی اصل سے بعید تر ہیں اور ان میں اتنا ہی زیادہ حاشیہ آرائی، مبالغے اور اضافے کئے گئے ہیں۔ ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ آغازِ اسلام میں خط مختصر لکھے جاتے تھے، فن تحریر سے عربوں کی واقفیت کم تھی،

لکھنے پڑھنے کا رواج تجارت پیشہ لوگوں میں تھا اور وہ معمولی تاجرانہ خط نویسی اور حساب کتاب رکھنے تک محدود تھا، حجاز کے عرب معاشرہ میں نہ تو علمی ماحول تھا، نہ کتابیں، نہ مدرسے، نہ اسکول، اس لئے فنی انشا پردازی کا فقدان تھا، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی حیدر میں سے کسی کو بھی خط نویسی کی مہارت نہیں تھی اور یہی حال ان کے منشیوں اور محرروں کا بھی تھا، یہ لوگ اپنے حکم کا لب لباب مختصر الفاظ میں قلمبند کرکے یا محرروں کو املا کرا کے متعلقہ تفصیلات اپنے سفیروں کو زبانی سمجھا دیتے اور وہ گورنر یا کمانڈر کے پاس جاکر خط کے ساتھ متعلقہ ہدایات سے ان کو مطلع کر دیتے، مختصر نویسی کا دوسرا سبب کاغذ کی گرانی اور کمیابی تھا، عہد حاضر میں دنیا کے ہر متمدن ملک میں ہزاروں ٹن کاغذ تیار ہوتا ہے اور ہر شخص حسب ضرورت ارزاں نرخ پر خرید سکتا ہے لیکن قرنِ اول کے آغاز میں کاغذ (قرطاس) جو عرب استعمال کرتے تھے صرف مصر میں بَردی نامی پودے سے تیار ہوتا تھا، اس کی سپلائی محدود تھی اور مانگ افریقہ، شرقِ اوسط اور یورپ میں بہت زیادہ، اس لئے گراں اور کمیاب تھا، زیادہ تر حکومتیں اور مالدار تاجر ہی اس کے استعمال پر قادر تھے، کاغذ کے علاوہ تحریر کے لئے عرب چمڑا بھی استعمال کرتے تھے جو بکری، گائے یا اونٹ وغیرہ کی کھال سے تیار ہوتا تھا، رومی قلمرو میں کاغذ کے علاوہ سفید ریشم پر بھی لکھائی ہوتی تھی اور فارس میں درخت خدنگ کی چھال جو نہایت چکنی اور پائیدار ہوتی لکھائی کے کام آتی تھی، کاغذ کی قلت اور گرانی کی مزید شہادت اس بات سے ملتی ہے کہ عرب قرطاس اور چمڑے کی تحریر پانی یا سرکہ کے مرکب سے دھوکر دونوں کو پھر لکھائی کے لئے محفوظ کر لیتے تھے۔

(۴) وہ خط جن کی شکلیں متعدد ہیں اور جن کے مضمون یا مضمون کے بعض حصوں میں محض سطحی شابہت پائی جاتی ہے، ان میں ایسے خطوط کے اصل سے قریب تر ہونے

کا امکان ہے جو کاتب کی شخصیت، مزاج، پالسی یا طریقِ حکومت سے زیادہ ہم آہنگ ہوں، یہی ہم آہنگی ان خطوط کی اصل سے قربت کی دلیل بن سکتی ہے جن کی صرف ایک ہی شکل دریافت ہو سکی ہے۔

(۵) متضاد خطوط میں ان خطوں کے اصل سے مطابق ہونے کا زیادہ امکان ہے جن کے مضمون کی تائید رسول اللہ اور بڑے صحابہ کے فتووں، فیصلوں اور اجتہادات یا خود کاتب خلفا کی اپنی شخصیت، مزاج اور طریقِ حکومت سے ہوتی ہو۔

عثمان غنی

اسلام سے پہلے قریش کے چار خاندان مکہ پر چھائے ہوئے تھے۔ خاندانِ ہاشم، خاندانِ عبدشمس، خاندانِ مُطّلب اور خاندانِ نوفل۔ یہ چاروں ایک دادا عبدمناف کی اولاد تھے اور تجارت کرتے تھے، ان کے تجارتی قافلے شام، عراق، یمن اور حبشہ جایا کرتے تھے، ان میں ہاشم اور عبدشمس کے خاندان زیادہ مالدار اور معزز تھے، لیکن ان کی خوشحالی میں مدّوجزر ہوتا رہتا تھا، موافق یا ناموافق حالات کے زیراثر کبھی ایک خاندان زیادہ پھلنے پھولنے لگتا کبھی دوسرا، جو خاندان زیادہ متمول ہو جاتا اسی کا اثر اور رسوخ آس پاس کے عرب قبیلوں میں بڑھ جاتا، وہی میر مکہ ہوتا، وہی مکہ کی قومی تیر تہ گاہ کا متولی بنتا اور اسی کے ہاتھ میں سالانہ حج کی قیادت ہوتی، اس وجہ سے دونوں خاندانوں میں مُسابقت کی دوڑ اور رقابت کی روح کار فرما رہتی تھی، یہ مسابقت اور رقابت اسلام کے بعد بھی باقی رہی، رسول اللہ کی وفات پر بنو ہاشم اور بنو عبدشمس یا بنو اُمیّہ میں خلافت کی جو کشمکش ہوئی وہ اسی رقابت اور مسابقت کی مرہون تھی۔

عثمان غنی کا تعلق عبدشمس (بنو اُمیّہ) کے خاندان سے تھا، اُن کے والد آسودہ حال بیوپاری تھے اور تجارتی قافلے لے کر شام جایا کرتے تھے، ایک سفر کے دوران شام کے مشہور ساحلی شہر غزہ میں بیمار پڑے اور وہیں اُن کا انتقال ہو گیا، عثمان کے صرف تین بچے تھے لیکن روپیہ پیسہ خوب تھا اس لئے زندگی آسائش سے گذرتی تھی، اُن کے بعد عثمان غنی نے تجارت کو اور زیادہ فروغ دیا، مستعد اور باشعور آدمی تھے، نئے نئے ڈھنگوں سے تجارت کیا کرتے تھے، نفع میں شرکت کر کے روپیہ دیتے، غلاموں سے تجارت کراتے اور زرِ مخلصی لے کر آزاد کرتے، سستے داموں جائدادیں خریدتے اور

---

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ مصر ۱۹۳۴ء صہ ۸۳

ایک ملک کا سامان دوسرے ملک کو بھیجتے۔

عثمان غنی، ابوبکر صدیق کی ترغیب پر مسلمان ہوئے، رسول اللہ سے پانچ چھ سال چھوٹے بتائے جاتے ہیں، میانہ قد، وجیہ اور خوش رو، گندمی رنگ، چوڑا سینہ، گھنے بال، دل ہمدرد اور غمخوار پایا تھا، بڑے کشادہ دست تھے، نیاز مند اور صلح جو بھی ان کی صورت، سیرت اور خوش حالی دیکھ کر رسول اللہ نے اپنی لڑکی رُقیہؓ کی ان سے شادی کر دی، یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہؐ مکہ میں اشاعت اسلام کی جدوجہد میں مشغول تھے، اس وقت عثمان غنی کی عمر لگ بھگ چالیس سال کی تھی، قریش مکہ کی اسلام دشمنی جب بڑھ گئی اور وطن کی فضا میں سانس لینا مشکل ہو گیا تو عثمان غنی بیوی بچوں کے ساتھ حبشہ چلے گئے جہاں کے تاجروں سے ان کے دوستانہ تعلقات تھے اور جب رسول اللہ ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہ بھی پردیس سے لوٹ آئے ۲ ہجری میں جنگ بدر کے موقع پر اُن کی بیوی رُقیہؓ بنت رسول اللہؐ بیمار پڑیں اور ایسی کہ وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے مرض بگڑ گیا اور ان کی جان لے کر ٹلا، ان کے انتقال کے بعد عمر فاروق نے اپنی بیوہ لڑکی حفصہ کا عقد عثمان غنی سے کرنا چاہا لیکن وہ تیار نہ ہوئے، عمر فاروق نے اس سرد مہری کی رسول اللہؐ سے شکایت کی تو انہوں نے حفصہ سے خود شادی کر لی اور عثمان غنی کو اپنی دوسری لڑکی ام کلثومؓ بیاہ دی، دولت اور خاندانی شرافت کے ساتھ عثمان غنی ایسی نکھری اور ستھری زندگی گذارتے اور اپنے اہل و عیال کو اتنی اچھی طرح رکھتے کہ بڑے آدمی ان سے ازدواجی رشتہ کے خواہشمند رہتے تھے، یہی وجہ تھی کہ رسول اللہؐ نے دوسری لڑکی کی شادی کے موقع پر ان سے کہا: "اگر میرے دس لڑکیاں ہوتیں تو اُن سب کی یکے بعد دیگرے، تم سے شادی کر دیتا۔"[1]

مدینہ آ کر عثمان غنی نے اپنا کاروبار شروع کر دیا، دنیا پھر ان کے قدم چومنے لگی، وہ بڑے سوداگر اور بینکر قسم کے آدمی تھے، ان کو زیادہ دوڑ دھوپ کرنے کی

---

[1] عقد الفرید ابن عبد ربہ مصر۔ ۱۹۳۳ء (۲/۵)

ضرورت نہ تھی، ان کے کارندے کام سنبھالے ہوئے تھے، وہ خود رسول اللہؐ کی خدمت میں رہتے اور ان کے سارے اہم معاملات میں حصہ لیتے، بدر کے علاوہ اُن کی ساری جنگوں میں شریک ہوئے، انہوں نے روپیہ پیسہ سے بھی اسلام کو خوب تقویت پہنچائی، آڑے وقت دس پانچ روپے سے مدد کرنے والے مسلمان تو کافی تھے لیکن سینکڑوں اور ہزاروں قربان کرنے والے صرف انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے۔

اُن معدودے چند خوش نصیبوں میں عثمان غنیؓ سب سے بڑھ کر تھے، جب مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آئے تو وہاں کا پانی ان کو پسند نہ آیا، شہر کے باہر اچھے پانی کا صرف ایک کنواں تھا جس کو بئر رُومہ کہتے تھے، اس کا مالک ایک یہودی تھا، رسول اللہؐ چاہتے تھے کہ کنواں خرید لیا جائے تاکہ سب مسلمان اس کا پانی استعمال کر سکیں لیکن سوال یہ تھا کہ اس کی قیمت کہاں سے آئے، ہجرت کے ابتدائی چند سالوں میں اُن کی اور دوسرے بہت سے نومسلموں کی مالی حالت نہایت خراب تھی، عثمان غنیؓ نے ہمت کی اور کنواں خریدنے کے لئے یہودی سے بات چیت کرنے گئے، یہودی نے کہا میں کنواں الگ نہیں کر سکتا کیونکہ میری کھیتی باڑی، کھانے پینے سب کا اسی پر دارومدار ہے، تمہاری خاطر اس کا آدھا پانی قیمتہً دے سکتا ہوں، عثمان غنیؓ نے چھ ہزار روپے میں آدھا پانی خرید لیا، ایک دن یہودی پانی لیتا، ایک دن مسلمان، مسلمانوں کی باری آتی تو وہ دو دن کا پانی نکال لے جاتے، اس سے یہودی کو شکایت پیدا ہوئی اور اس نے باقی کنواں بھی عثمان غنیؓ کے ہاتھ چار ہزار روپے میں بیچ دیا۔[1]

۹ھ میں شام کے ایک تجارتی قافلہ سے جو مدینہ آیا ہوا تھا رسول اللہؐ کو یہ خبر ملی

---

[1] استیعاب ابن عبدالبر حیدر آباد ہند ۱۳۳۶ھ ۲/۴۷۵ و کتاب المعارف ص ۸۴ و سنن کبریٰ بیہقی حیدر آباد ہند ۱۳۵۵ھ ۱۶۷/۶ و ۱۶۸ و معجم البلدان یاقوت مصر ۱۹۰۶ء ۴/۲۱۲۔ معجم البلدان میں کل کنوئیں کی قیمت ساڑھے تیرہ ہزار روپے اور انساب الاشراف بلاذری ۵۰۴/۱ میں دو ہزار (چار سو دینار) بتائی گئی ہے۔

کہ شام کی بازنطینی حکومت حجاز پر فوج کشی کے لئے سرحد پر فوجیں جمع کر رہی ہے، یہ خبر تھی بالکل بے بنیاد اور بعض مفسدوں نے مسلمانوں میں ہراس پھیلانے کے لئے مشہور کرائی تھی، رسول اللہ نے شامیوں کے مقابلہ کے لئے مسلمانوں کو تیار ہونے کا حکم دیا، بے حد گرمی پڑ رہی تھی، حجاز قحط کی زد میں آیا ہوا تھا، بہت سے نو مسلم قلاش اور بے روزگار تھے، کھجور کی فصل تیار تھی اور اہلِ مدینہ اپنے باغوں کی رکھوالی میں مشغول تھے، اس کے علاوہ شامی فوج کی تعداد، ہتھیاروں اور تیاری کے بارے میں ایسی مبالغہ آمیز خبریں پھیلائی گئی تھیں کہ مسلمان ان سے لڑنے کے خیال تک سے ہراساں ہو رہے تھے، بہت سے متذبذب مسلمانوں نے رسول اللہؐ کی فوجی مہم کو خلافِ مصلحت سمجھ کر جانے سے انکار کر دیا اور ایک اچھی خاصی تعداد نے بہانوں کی آڑ لی، تیس ہزار اور بعض کہتے ہیں کہ چالیس ہزار فوج تیار کرنے کا منصوبہ تھا جس میں دس ہزار گھوڑوں کے رسالے شامل تھے، اتنا بڑا منصوبہ اور ذرائع ناکافی؛ جہاد فنڈ کے نام سے چندہ کی مہم چلادی گئی، اس فنڈ کے لئے غریبوں، امیروں اور عورتوں سب نے قربانی کی: غریبوں نے کھجور اور ستو سے، امیروں نے جن میں قریش کے صحابی سوداگر پیش پیش تھے، روپے سے، عورتوں نے عطر، عنبر، مشک اور زیورات سے، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروق نے دو دو ہزار روپے دیئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے چار ہزار دو سو اوقیہ، اور عثمان غنیؓ نے ایک تہائی فوج کے ہتھیار، جانور اور غذا مہیا کرنے کا ذمہ لیا، یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انہوں نے دس ہزار دینار دیئے جو اس وقت کی شرح سے پچاس ہزار روپے کے برابر تھے۔[1]

جیسا کہ اوپر بیان ہوا عثمان غنی نے ایک آسودہ حال گھر میں جنم لیا تھا جس میں خدا کی دی ہوئی سب نعمتیں مہیا تھیں، اس لئے شروع ہی سے وہ اجلی اور ستھری زندگی

---

[1] تاریخ الخمیس قاضی دیار بکری مصر ۲/۱۲۳، کنز العمال متقی برہانپوری حیدرآباد ہند ۱۳۱۳ھ ۵/۳۰۱۔

بسر کرنے کے عادی تھے، اچھا کھاتے، اچھا پہنتے اور آرام سے رہتے، اسلام کے بعد بھی وہ اپنی روش پر قائم رہے کیونکہ نہ تو اسلام کا اُن سے یہ مطالبہ تھا کہ وہ موٹا کھائیں اور موٹا پہنیں اور نہ رسول اللہ ہی مسلمانوں کو طیباتِ رزق سے محروم کرنا چاہتے تھے۔

صحابی عمرو بن اُمیّہ ضمری: قریش کے بوڑھے لوگوں کو خزیرہ (ایک قسم کا کھچڑا) بہت مرغوب تھا، ایک دن رات کے کھانے پر میں نے عثمان غنی کے ساتھ خزیرہ کھایا جو نہایت لذیذ تھا، اس میں بکری کا گوشت تھا اور گھی دودھ کا بگھار، عثمان غنی نے مجھ سے پوچھا: "کیسا ہے خزیرہ؟ میں نے کہا: کیا کہنا، اس سے اچھا میں نے کبھی نہیں کھایا"۔ عثمان غنی: خدا رحم کرے ابن خطاب (عمرؓ) پر کبھی ان کے ساتھ بھی تم کو خزیرہ کھانے کا اتفاق ہوا؟" میں نے کہا: "جی ہاں، لیکن ان کا خزیرہ اتنا روکھا تھا کہ جب میں اس کا لقمہ منہ کی طرف لاتا تو وہ بکھر جاتا، اس میں نہ گوشت ہوتا نہ دودھ، بس گھی ہوتا تھا، عثمان غنی: "تم نے سچ کہا عمرو، بخدا ان کے نقش قدم پر چلنے والے کو آرام میسر نہیں ہو سکتا، ان کو خشک اور روکھی زندگی پسند تھی، بخدا میں یہ خزیرہ مسلمانوں کے پیسہ سے نہیں بلکہ اپنی کمائی سے کھا رہا ہوں، تم کو معلوم ہے کہ قریش کے سوداگروں میں میری تجارت سب سے زیادہ فروغ پر رہی ہے اور میں شروع ہی سے اچھی اور نرم غذا کھانے کا عادی رہا ہوں اور اب تو میرا بڑھاپا ہے۔"[۱]

عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر: "میں رمضان میں عثمان غنی کے ساتھ افطار کرتا تھا، وہ ہمارے لئے مرغن اور لذیذ کھانے منگواتے، دسترخوان پر عمدہ میدہ کی روٹی اور بکری کے بچہ کا گوشت ہوتا، میں نے عمر فاروق کو کبھی میدہ کی روٹی کھاتے نہیں دیکھا اور نہ بچہ کا گوشت، وہ ہمیشہ بڑی راس کا گوشت کھاتے تھے، میں

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مصر پہلا ایڈیشن ۵/۱۳۶ -

نے عثمان غنی سے عمر فاروق کے کھانے کا ذکر کیا تو وہ بولے: "عمر کی برابری کون کر سکتا ہے"[1]
دانائے عرب احنف بن قیس: "ایک موقع پر میں نے عثمان غنی کے جسم پر قوہستان[2] کے بڑھیا قسم کے کپڑے کی قمیص دیکھی اور دوسرے موقع پر وہ زرد رنگ کی چادر اوڑھے تھے۔"[3] دوسرا شاہد: "میں نے عثمان غنی کو یمن کے قیمتی دھاری دار کپڑے کی چادر اوڑھے دیکھا جس کی قیمت پچاس روپے تھی"، ایک تیسرا شاہد کہتا ہے: "میں نے عثمان غنی کے جسم پر بوٹے دار ریشمی شال دیکھی جس کی قیمت سو روپے تھی"[4] انساب الاشراف بلاذری کے رپورٹر اس چادر کی قیمت پانچسو روپے یا سو دینار بتاتے ہیں۔[5]

کسی کو یہ گمان نہ ہونا چاہیئے کہ بڑے صحابہ کے زمرہ میں صرف عثمان غنی ہی کو کھانے پینے اور پہننے کا شوق تھا۔ شاید عمر فاروق کو چھوڑ کر صف اول کے سارے ہی صحابہ بشرطیکہ ان کی مالی حالت اچھی ہوتی، صاف ستھری اور شاندار زندگی بسر کرتے تھے، ہمارے مورخ بتاتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کو جو دیگر اصحاب شوریٰ طلحہؓ، علیؓ، زبیرؓ اور سعدؓ بن ابی وقاص کی طرح ہزاروں لاکھوں کے آدمی تھے، بڑھیا لباس پہننے کا خاص شوق تھا اور ان کی چادر یا شال کی قیمت دو ڈھائی سو روپے ہوا کرتی تھی۔[5] تاریخ صنعاء کا مولف عبداللہ بن عمر کی سند پر کہتا ہے کہ عمر فاروق کو بڑے صحابہ کے رکھ رکھاؤ اور ظاہری شان کا اتنا خیال تھا کہ وہ خود ان کا لباس تیار کراتے تھے، جس پر نو سو روپے لاگت آتی تھی۔[6] غالباً حج اور دوسرے رسمی اجتماعات کے موقعوں پر یہ لباس پہنا جاتا ہوگا۔

یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ اس وقت جزیرۂ عرب میں اشیاء ضرورت عموماً

---

[1] تاریخ الامم والملوک ابن جریر طبری مصر پہلا ایڈیشن ۱۳۶/۵۔ [2] خراسان کا ایک قطعہ۔ [3] طبقات ابن سعد لائڈن قسم اول ۲۹/۳۔ [4] انساب الاشراف بلاذری طبع فلسطین ۳۷۵۔ [5] طبقات ابن سعد ۹۲/۳۔ [6] تاریخ صنعاء قلمی، از احمد بن عبداللہ بن محمد رازی، دارالکتب ظاہریہ رقم ۲۴۰۳۔

کی نسبت زیادہ گراں تھیں، بالخصوص کپڑا، برتن اور فرنی چر۔ اس کے علاوہ عثمان غنی کے عہد میں روپیہ پیسہ کی بہتات نے بھی گرانی بڑھادی تھی، نئی نئی فتوحات، تجارت اور جاگیروں کی آمدنی سے بڑے پیمانہ پر روپیہ مدینہ آنے لگا تھا، جب روپیہ پیسہ مقدار میں بڑھتا ہے تو اس کی قوتِ خرید کم ہو جاتی ہے اور اشیاءِ ضرورت مہنگی ہو جاتی ہیں چنانچہ اس زمانہ میں بعض صفات کی کنیزوں کی قیمت ان کے ہموزن چاندی کے برابر ہو گئی تھی، ایک عمدہ گھوڑا پچاس ہزار روپے اور ایک بڑھیا اونٹ پانچ ہزار میں آتا تھا، اچھی قسم کے درخت خرما کی قیمت پانچسو روپے وصول کی جاتی تھی[۱] صحابہ خود ہی اچھا لباس نہ پہنتے بلکہ اپنے متعلقین اور بیویوں کو بھی اپنی شایانِ شان پہناتے قاضی واقدی: "رسول اللہ کے ساتھی بیویوں کے لباس کے معاملہ میں فراخ دستی سے کام لیا کرتے تھے[۲]" صحابی ابنِ مسعود نے جو ہمیشہ صاف ستھرے اور خوشبودار کپڑے پہنا کرتے تھے مرتے وقت اپنے کفن تک کے لئے وصیت کر دی تھی کہ سو روپے سے کم کا نہ ہو[۳] سعد بن ابی وقاص کا لباس تسری ہوتا تھا[۴]

بڑے صحابہ کے بارے میں یہ بتانا تو مشکل ہے کہ انھوں نے اپنی زندگی میں کتنا کمایا اور کتنا خرچ کیا لیکن ان کی ایک اقلیت بالخصوص اصحاب شوریٰ کے متعلق جو قریش کے بڑے سوداگروں اور جاگیرداروں پر مشتمل تھی اتنا معلوم ہے کہ انہوں نے مرتے وقت کتنی دولت چھوڑی:۔

ابوبکر صدیق (متوفی ۱۳ھ)

قبولِ اسلام کے وقت ان کی مالی حیثیت بیس ہزار روپے کی تھی لیکن بوقت وفات

---

[۱] استیعاب ۲/۲۷۶ و الامامہ والسیاسۃ ابن قتیبہ مصر ۱۹۳۷ء ص ۲۷۔

[۲] طبقات ابن سعد ۳/۹۰۔ [۳] ایضاً ۳/۱۱۱۔

[۴] ایضاً ۳/۱۱۲۔

ان کے پاس بہ شکل نقد کوئی قابلِ ذکر رقم نہیں تھی، البتہ انہوں نے کافی اچھی مالیت کی ایک جاگیر مدینہ کے باہر چھوڑی، یہ جاگیر سنہ ۷ھ میں رسول اللہ نے ان کو عطا کی تھی۔[1]

عمر فاروق (متوفی سنہ ۲۳ھ)

کئی جاگیروں کے مالک تھے، جن میں سے دو کے نام یہ ہیں: ثمغ[2] اور صرمۃ ابن الاکوع۔ تیسری جاگیر خیبر میں تھی، یہ تینوں رسول اللہ نے عطا کی تھیں، ان سے بیس[3] ہزار روپے سالانہ وصول ہوتے تھے۔[4] تاریخ صنعاء کی تصریح سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان جاگیروں کی قیمت پانچ لاکھ روپے تھی۔

علی بن ابی طالب (متوفی سنہ ۴۰ھ)

رسول اللہ نے ان کو خیبر وغیرہ میں چار جاگیریں دی تھیں: فُقَیرین، بئر قیس اور شجرہ[5]، پھر عمر فاروق نے جو ان کے داماد بھی تھے ینبع کی سرسبز وادی عطا کی جہاں نخلستان تھے۔[6] عثمان غنی کے قتل سے پہلے ان کی سالانہ آمدنی پچاس ہزار روپے تک پہنچ گئی تھی۔ عن أبی جعفر قال: ما قتل ابن عفان حتی بلغت غلۃ علی مائۃ ألف۔[7] ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ سالانہ دس ہزار روپے زکاۃ کی مد میں ادا کرتے تھے۔[8]

عثمان غنی (متوفی سنہ ۳۵ھ)

بارہ لاکھ پچاس ہزار روپئے اور بقول بعض ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپے، دس

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف مصر سنہ ۱۳۰۲ھ صفحہ ۳۲ و فتوح البلدان بلاذری مصر سنہ ۱۳۱۹ھ صفحہ ۳۳۔ [2] سنن کبریٰ بیہقی ۱۵۸/۶ و شرح نہج البلاغہ ۱۵۸/۳۔ [3] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم قرشی مصر سنہ ۱۳۴۷ھ صفحہ ۳۶ و فتوح البلدان بلاذری مصر سنہ ۱۳۱۹ھ صفحہ ۱۲، سنن کبریٰ بیہقی ۱۴۳/۶۔ [4] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم صفحہ ۸۶ و فتوح البلدان صفحہ ۲۴۔ [5] کتاب الخراج یحییٰ بن آدم صفحہ ۸۶۔ [6] تاریخ صنعاء قلمی۔ [7] مروج الذہب مسعودی حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر۔ [8] طبقات ابن سعد ۵۲/۳۔

لاکھ روپے[۱] اور بقول مسعودی پانچ لاکھ روپے کی جائداد جو انہوں نے زندگی ہی میں عزیز
اقارب میں بانٹ دی تھی، ہزار اونٹ، ایک حویلی۔

عبدالرحمٰن بن عوف[۲] (متوفی ۳۲ھ)

تیرہ لاکھ چوالیس ہزار روپے نقد[۳] بعض رپورٹر کہتے ہیں سولہ لاکھ، ہزار اونٹ
تین ہزار بکریاں[۴]، سو گھوڑے[۵]، ایک رہائشی حویلی۔

زبیر بن عوام (متوفی ۳۶ھ)

مرتے وقت چار لاکھ کے مقروض تھے، طبقات ابن سعد کے راوی گیارہ لاکھ کا
قرضہ بتاتے ہیں، دو کروڑ ساٹھ لاکھ روپے کی جائداد چھوڑی اور ایک رپورٹ یہ
ہے کہ جائداد سات کروڑ پچپن لاکھ سے زیادہ کی تھی، اس میں مدینہ کے گیارہ مکان،
بصرہ کی دو حویلیاں، کوفہ کی ایک حویلی اور اسکندریہ مصر کی ایک کوٹھی قابلِ ذکر ہے
ہزار غلام، ہزار گھوڑے[۶]، اینٹ چونے اور ساگون کی ایک رہائشی حویلی۔

طلحہ بن عبیداللہ (متوفی ۳۶ھ)

اکیس[۷] لاکھ[۸] اور بقول بعض پانچ لاکھ نقد[۹]، ڈیڑھ کروڑ کی جائداد[۱۰] صرف عراق کی جاگیر
سے ان کو ہر دن پانچسو روپے سے زیادہ وصول ہوتے تھے یمن کی ایک جائداد سے پچاس
ہزار روپے سالانہ کی آمدنی تھی[۱۱]، اینٹ چونے اور ساگون کی ایک رہائشی حویلی۔

سعد بن ابی وقاص (متوفی ۵۵ھ یا ۵۸ھ)

ایک لاکھ پچیس ہزار روپے[۱۲]، امیر معاویہ کے زمانۂ خلافت میں انہوں نے ایک بار

---

۱ مروج الذہب مسعودی حاشیہ تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۵۳ ۔ ۲ ایضاً ۵/۱۵۱ ۔ ۳ تاریخ صنعا، دس ہزار بکریاں
۴ طبقات ابن سعد ۳/۹۶ ۔ ۵ تاریخ صنعا قلمی ۔ ۶ طبقات ابن سعد ۳/۷۹، سنن کبریٰ ۶/۲۸۹ میں قرضہ کی تعداد
بائیس لاکھ ہے ۔ ۷ مروج الذہب حاشیہ تاریخ کامل ۵/۱۰۱، و تاریخ صنعا ۔ ۸ طبقات ابن سعد ۳/۱۵۸ ۔ ۹ تاریخ صنعا قلمی،
۱۰ طبقات ابن سعد ۳/۱۵۷ ۔ ۱۱ ایضاً ۳/۱۵۰ و تاریخ صنعا ۔ ۱۲ طبقات ابن سعد ۳/۱۰۵ و تاریخ صنعا قلمی ۔

صرف نقد روپے کی زکوٰۃ ڈھائی ہزار اد اکی تھی[1] مدینے سے باہر ایک عالی شان رہائشی کوٹھی تھی۔

عبداللہ بن مسعودؓ (متوفی ۳۲ھ)

بینتالیس ہزار روپے[2]۔

زید بن ثابتؓ (متوفی ۴۵ھ)

گیارہ لاکھ روپے[3]۔

عثمان غنیؓ دولتمند تھے لیکن دولت پرست نہ تھے، خوددار تھے لیکن خودغرض نہ تھے مروت شاید ان کی سب سے بڑی صفت تھی، ان کا ہاتھ یگانہ اور بیگانہ دونوں کے لئے کھلا رہتا تھا، لیکن ان کی میزانِ مروت میں ذوی القربا اولین حقدار تھے، وہ مشکلات اور دکھ دور کرنے کے لئے ہی خرچ نہ کرتے بلکہ روٹھوں کو منانے اور بگڑوں کی تالیفِ قلب کے لئے بھی خرچ کرتے تھے، ان کا بہت بڑا کنبہ تھا جن میں خوش حال کم تھے نادار زیادہ، قریش سے رسول اللہ کی جنگوں میں ان کے خاندان کے کافی کمانے والے مارے گئے تھے، بہت سی عورتیں بیوہ اور بچے یتیم ہو گئے تھے، عثمان غنی سب کے غمخوار تھے، سارے یتیم بچوں کو انہوں نے اپنے سایۂ عاطفت میں لے لیا تھا، ان کا خرچ اور تعلیم و تربیت سب ان کے ذمہ تھی، محمد بن ابی حذیفہ ایسے ہی ایک یتیم تھے جو نامہ بنہ گئے تھے لیکن جب عثمان غنی نے انکو عہدہ نہیں دیا تو وہ بگڑ کر مصر چلے گئے اور وہاں مخالف کیمپ میں داخل ہو کر عثمان غنی اور ان کی حکومت کے خلاف پروپگنڈا کرنے لگے۔

مروت اور تالیفِ قلب کی مثالیں

معاویہ بن مغیرہ عثمان غنی کا چچا زاد بھائی تھا، ۳ھ میں وہ قریش مکہ کی طرف

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۱۰۵، تاریخ صغیر میں زکوٰۃ کی مقدار ایک لاکھ دی گئی ہے۔ [2] طبقات ابن سعد ۳/۱۱۳۔ [3] تاریخ صغیر بخاری۔

سے جنگ احد میں شریک ہوا اور اس کی ابتدائی جھڑپوں میں شکست کھا کر فرار ہو گیا، رات ہوئی تو وہ مدینہ کے باہر ایک جھاڑی میں سو گیا، صبح تڑکے وہ مدینہ میں داخل ہوا اور عثمانؓ غنی کے دروازہ پر جا کر دستک دی، عثمانؓ غنی اس وقت رسول اللہؐ کے پاس تھے جو جنگ اُحد میں شکست کھا کر ہنوز میدان سے واپس نہیں ہوئے تھے عثمان غنی کی بیوی (رسول اللہ کی صاحبزادی) ام کلثوم نے کہا کہ وہ گھر پر نہیں ہیں، معاویہ: "ان کو ابھی بلوا دو، میں ایک اونٹ کی قیمت دینے آیا ہوں جو دو سال پہلے ان سے خریدا تھا" ام کلثوم نے عثمان غنی کو بلوا بھیجا، وہ معاویہ کو دروازہ پر دیکھ کر سخت حیران و پریشان ہوئے اور بولے: یہ تم نے کیا غضب کیا کہ یہاں آئے! معاویہ: ابن عم میں اکیلا محمد کے رسالوں سے بھاگ کر مکہ نہیں جا سکتا اس لیے تمہاری پناہ لینے آیا ہوں" عثمان غنی نے ان کو گھر کے ایک کمرہ میں چھپا دیا اور رسول اللہؐ سے ان کی جاں بخشی کی سفارش کرنے چلے گئے، اس اثنار میں رسول اللہؐ کو خبر ہو گئی اور انہوں نے معاویہ کو گرفتار کرنے کچھ لوگ بھیجے، وہ معاویہ کو پکڑ لے گئے، جب معاویہ رسول اللہ کے سامنے حاضر ہوا تو عثمان غنی نے بڑی منت سے اس کی سفارش کی، رسول اللہ نے اس کی جان بخش دی اور کہا، تین دن کے اندر اندر شہر چھوڑ دو ورنہ قتل کر دیے جاؤ گے عثمان غنی معاویہ کو گھر لائے، خاطر مدارات کی اور ایک اونٹ اور زاد راہ دے کر ان کو مکہ بھیج دیا[1]

بڑے صحابی طلحہ بن عبید اللہ کسی فوری ضرورت کے لیے عثمان غنی سے پانچ ہزار روپے لے گئے، طلحہ اصحاب شوریٰ میں سے تھے اور خلافت کے امیدوار، عثمان غنی پر نقد بھی کیا کرتے تھے، کچھ دن بعد انہوں نے عثمان غنی سے کہا: "روپیہ آ گیا ہے منگوا لیجیے" عثمان غنی: "ابو محمد رہنے دو، تمہاری فیاضی کے کام آئے گا۔ ھولک یا ابا محمد معونۃ"

---

[1] کتاب المغازی، واقدی کلکتہ ۱۸۵۵ء ایڈیٹر الفریڈ کریمر ص ۳۲۴۔

لک علی مروئتک ۱؎

عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی اور گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر بن کُرَیز خراسان کی فتوحات کے بعد مدینہ آئے تو عثمان غنی نے ان سے کہا: "تحفہ تحائف سے مہاجرین قریش کی تالیفِ قلب کرو" ابن عامر نے ممتاز قریشی صحابہ کو جو عطیے اور تحفے بھیجے ان میں ایک تحفہ ڈیڑھ ہزار روپے اور ایک پوشاک پر مشتمل علی بن ابی طالب کو بھی بھیجا، عطیہ پاکر علی حیدر نے کہا: "یہ محمد کی میراث ہے جو اغیار کھا رہے ہیں" عثمان غنی کو اس ریمارک کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن عامر سے کہا کہ ڈیڑھ ہزار روپے علی کی شایانِ شان نہ تھے" ابن عامر: "میں نے زیادہ بھیجنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ مجھے علی کے بارے میں آپ کی رائے معلوم نہ تھی" ابن عامر نے مزید دس ہزار روپے علی حیدر کو بھیج دیئے، وہ خوش ہوئے اور مسجد میں جاکر اپنے حلقہ میں بیٹھے تو وہاں ابن عامر کے تحفوں اور عطیوں کا چرچا ہو رہا تھا، علی حیدر نے کہا: "واقعی ابن عامر قریشی سخیوں کا سرتاج ہے!" انصار اکابر کو ابن عامر کی داد و دہش کا علم ہوا تو ان کو جلن ہوئی اور وہ ابن عامر کو بُرا بھلا کہنے لگے، عثمان غنی کو اس کی خبر ہوئی تو انہوں نے ابن عامر کو بلایا اور کہا: "اپنی آبرو بچاؤ اور انصار کے ساتھ بھی سلوک کرو، تم کو معلوم ہے اُن کی زبان کتنی تیز ہے" ابن عامر نے ان کو بھی ہاتھ کھول کر روپیہ اور کپڑا دیا، اب وہ بھی ابن عامر کے ثناخواں ہو گئے ۲؎۔

چار بڑے شعبے تھے جن کا خلیفہ سے براہ راست تعلق تھا: (۱) جنگی اقدامات (۲) مالی معاملات (۳) گورنروں اور کمانڈروں سے خط و کتابت اور (۴) نصب و عزل، ان کے علاوہ بہت سے فروعی، ہنگامی، مقامی اور شخصی معاملات بھی اس کے سامنے فیصلہ کے لئے آتے تھے، عمر فاروق کا طریقِ کار یہ تھا کہ خاص طور پر ایسے امور میں جن کا تعلق قومی خطرہ، کسی سنگین جنگ یا بڑی فوجی کارروائی سے ہوتا تو وہ مسجد میں جاکر کابر مدینہ

۱؎ تاریخ الامم ۱۳۹/۳ ۔ ۲؎ طبقات ابن سعد ۳۱/۵ ۔

کو صورتِ حال سے مطلع کرتے اور بڑے صحابہ کے مشورہ سے کام کرتے لیکن باقی سارے معاملات وہ خود اپنی صوابدید سے طے کیا کرتے تھے۔ جہاں تک ہمیں معلوم ہے ان کی کوئی باضابطہ مشاورتی کمیٹی نہ تھی، البتہ اس ضمن میں نوعمر اور باشعور عبداللہ ابن عباس کا نام لیا جاتا ہے کہ عمر فاروق ان سے مشورہ کرتے تھے۔[۵۱]

عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو وہ بھی عمر فاروق کی طرح اہم معاملات میں اکابر مدینہ سے رجوع کیا کرتے اور بڑے صحابہ کی صلاح سے کام کرتے لیکن ان کا ایک پرائیویٹ مشاورتی حلقہ بھی تھا جو ان کے بعض تجربہ کار اور صاحبِ نظر رشتہ داروں پر مشتمل تھا جیسے ابوسفیان، سعید بن عاص اور مروان بن حکم، عمر فاروق نے جب خلافت کا چارج لیا اس وقت ان کی عمر بتالیس ۴۲ چھیالیس ۴۶ سال سے زیادہ نہ تھی اور ان میں جوش ہمت اور ولولہ غضب کا تھا، اس لئے حکومت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے ان کو معاونوں کی چنداں ضرورت بھی نہ تھی، اس کے برخلاف عثمان غنی نے جب زمامِ حکومت ہاتھ میں لی اس وقت ان کا سن تقریباً ستر سال کا تھا اور ان میں عمر فاروق کا سا نہ تو جوش تھا نہ ولولہ اور نہ طاقت، ایک اور اہم فرق یہ تھا کہ عثمان غنی کے الیکشن سے عدم تعاون کی فضا پیدا ہو گئی تھی، پارٹی بندی کا ماحول بڑھ گیا تھا اور بڑے صحابہ ان سے اس درجہ کبیدہ خاطر اور کشیدہ رہتے تھے کہ اُن پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا، عثمان غنی کو ایسے معاونوں کی ضرورت تھی جن پر وہ اعتماد کر سکتے جو باشعور بھی ہوتے اور جن سے بآسانی رجوع کیا جا سکتا، اُن کے ہم زلف ابوسفیان ۳۱ھ تک جئے اور سعید بن عاص ۲۹ھ یا ۳۰ھ یا ۳۳ھ سے ۳۴ھ تک مدینہ سے باہر کوفہ کی گورنری پر فائز رہے، مروان جن کا سن عمر فاروق کی وفات کے وقت (۲۳ھ) بیس اکیس سال کا تھا، آخر وقت تک عثمان غنی کے

---

[۵۱] کنز العمال، ۳۱۱/۵ -

سکریٹری اور مشیر بنے رہے، بچازاد بھائی ہونے کے علاوہ وہ عثمان غنی کے داماد بھی تھے جہاں تک ہم کو معلوم ہے مروان کوئی مفسد یا شری آدمی نہ تھے، ان کا شمار پہلی صدی ہجری کے فقہا میں ہوتا ہے، ان کا دعویٰ تھا کہ میں نے کبھی قرآنی احکامات کی خلاف ورزی نہیں کی[1] ان کے اس دعوے کو کسی نے چیلنج بھی نہیں کیا، چونکہ وہ ایک ایسے شخص کے لڑکے تھے جس کو رسول اللہ نے ایک بیہودگی پر مدینہ سے نکال دیا تھا، بڑے صحابہ ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور چونکہ وہ عثمان غنی کے داماد اور مشیر بھی تھے اس لئے بڑے صحابہ ان سے کشیدہ اور برہم رہتے تھے، ان کا خیال تھا کہ مروان عثمان غنی پر بری طرح چھائے ہوئے ہیں اور خلیفہ کے سارے فیصلے مروان کی رائے سے ہوتے ہیں حالانکہ ایسا تھا نہیں، عثمان غنی اکثر خود فیصلے کرتے تھے اور خود ہی پالیسی متعین کرتے تھے اور مروان کو اِملا کرا دیتے تھے، چھوٹے اور فروعی معاملات میں جن کا ازدحام رہتا تھا وہ مروان کی رائے پر بھی عمل کر لیتے تھے، مروان کی سکریٹری شپ عثمان غنی کو بہت مہنگی پڑی اور ان کے زوال کے بڑے اسباب میں سے ہے، مخالفوں اور بالخصوص مدینہ کے اکابر نے اس کو پروپیگنڈے کا موضوع بنا لیا تھا۔

عمر فاروق کے عہد خلافت میں اسلامی اقتدار عراق، شام اور مصر میں تو اچھی طرح قائم ہو گیا تھا لیکن فارس کے صوبوں پر عربوں کے پیر اُکھڑے سے تھے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فارسی بادشاہ کسریٰ یزدگرد (متوفی ۳۱ھ) زندہ تھا وہ برابر فارس کے رئیسوں اور اکابر کو عربوں کے خلاف اُکساتا رہتا تھا، ارمینیہ اور آذربیجان کے علاقے جو پہاڑی تھے اور عرب فوجی مرکزوں سے دور، عمر فاروق کے مرتے ہی خود مختار ہو گئے، فارس کے دوسرے مفتوحہ صوبے عثمان غنی کی خلافت

---

[1] انساب الاشراف بلاذری ۵/۱۲۵۔

کے چند سال تک تیور بدلے تیاری میں مشغول رہے، پھر انہوں نے بھی مدینہ کی ماتحتی کا جوا اتار پھینکا، عثمان غنی نے پوری مستعدی سے اس چیلنج کا مقابلہ کیا، فارس کے کچھ صوبے گورنر بصرہ کے ماتحت تھے اور کچھ گورنر کوفہ کے، خلیفہ کے حکم سے دونوں صدر مقاموں کے گورنروں نے باغی صوبوں پر فوج کشی کر دی اور کہیں بذریعہ معاہدہ اور کہیں بزور شمشیر سارے فارس کو مسخر کر لیا، شام میں ان کے گورنر معاویہ نے بازنطینی حکومت کے کئی حملوں کو جن کا مقصد شام کو واگذار کرانا تھا پسپا کر ڈالا اور بحر متوسط کے دو اہم جزیروں قبرس اور روڈس پر فوج کشی کر کے پہلی بار اسلامی قلمرو میں داخل کیا ۳۵ھ میں بازنطینی قیصر کے ایما، اور مدد سے اسکندریہ مصر میں ایک بڑی بغاوت ہوئی عثمان غنی کے کمانڈروں نے اس پر بھی قابو پا لیا، پھر وہ مصر سے متصل شمالی افریقہ کے ان علاقوں کی طرف متوجہ ہوئے جو آج کل لیبیا، تونس اور الجیریا کے نام سے مشہور ہیں اور یہاں بھی اسلامی جھنڈا نصب کر دیا، بعض رپورٹ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ اسپین پر پہلا عرب حملہ عثمان غنی ہی کے حکم سے ہوا، ان کی خلافت کے آخری سالوں میں بازنطینی قیصر نے شام اور مصر کو واپس لینے کے لئے ایک بحری حملہ کیا، چھ سات سو جہازوں کے ذریعہ لیکن ان کے شام اور مصر کے گورنروں نے اس حملہ کو بھی پسپا کر ڈالا، بازنطینی بیڑہ کا بیشتر حصہ تباہ ہوا اور شرقی و وسطی بحر متوسط پر عرب غالب ہو گئے۔

یہ ساری کامیابیاں عثمان غنی کے پانچ گورنروں نے حاصل کی تھیں اور یہ پانچوں گورنر ان کے رشتہ دار تھے، بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر ان کے ماموں زاد بھائی تھے، کوفہ کے گورنر ولید بن عُقبہ ان کے سوتیلے بھائی اور سعیدؓ بن عاص داماد، شام کے گورنر امیر معاویہ ان کے ہم زلف اور چچا زاد بھائی ابوسفیان کے صاحبزادے تھے اور مصر کے گورنر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح رضاعی بھائی، مخالف پارٹیوں کو عثمان غنی کے رشتہ داروں کا اعلیٰ عہدوں پر ہونا سخت ناگوار تھا، وہ کہتے کہ عثمان غنی

کنبہ پروری کی پالسی پر عمل کر رہے ہیں اور خلافت نیز اس کی برکتوں اور فائدوں کو ہمیشہ کے لئے اپنے خاندان (بنو اُمیّہ) کے لئے وقف کر دینا چاہتے ہیں، بعض بڑے صحابہ خود عہدوں کے خواہشمند تھے اور اپنے لڑکوں کے لئے بھی عہدے چاہتے تھے عثمان غنی نے نہ تو اپنے کسی لڑکے کو عہدہ دیا، نہ بڑے صحابہ یا ان کے لڑکوں کو، یہ پانچ رشتہ دار جن کی گورنری بڑے صحابہ کو ناگوار تھی تو ان میں تین (امیر معاویہ ولید بن عُقبہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح) کو پہلے رسول اللہ، پھر ابوبکر صدیق اور آخر میں عمر فاروق نے ان کی لیاقت کارکردگی دیکھ کر خود اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا تھا، باقی دو (ابن عامر اور سعید بن عاص) کے بارے میں عثمان غنی کی دلیل یہ تھی کہ میں نے محض رشتہ کی بناء پر ان کو گورنری نہیں دی بلکہ اس وجہ سے کہ مجھے ان پر بھروسہ ہے اور ان کی اہلیت کا ذاتی تجربہ رکھتا ہوں، مخالف پارٹیاں اپنے مصالح کے پیشِ نظر ان حقائق سے چشم پوشی کر لیتی تھیں، پانچوں گورنروں کی ساری خدمات اور فتوحات کو بھی نظر انداز کر دیتیں اور ان کی چھوٹی سی چھوٹی لغزش کو گناہِ کبیرہ بنا کر اچھالتیں۔

ابوبکر صدیق کی تنخواہ تین سو روپے ماہوار یا چھ ہزار درہم سالانہ تھی، ایک قول یہ ہے کہ وہ حسب ضرورت بیت المال سے لیا کرتے تھے، اس کے علاوہ یثرب اور خیبر سے نکالے ہوئے یہودیوں کی اراضی سے رسول اللہ نے ان کو دو جاگیریں بھی دی تھیں، ان کا خاندان زیادہ بڑا نہ تھا، خلافت کے وقت صرف دو بیویاں اور چند بچے تھے، اس لئے تنخواہ، غنیمت کے حصوں اور جاگیروں کی پیداوار سے کام چل جاتا تھا، خیبر کی جاگیر سے ان کو چھ سو من (سو وسق) کھجور مل جاتی تھی۔[1]

---

[1] طبقات ابن سعد ۳/۱۳۸ و فتوح البلدان صـ۲۳ د ۲۵۔ [2] وسق = ۶۰ صاع، صاع = چار سیر بحساب رطل مدینہ رائج بعہد رسول اللہ۔

عمر فاروق نے خلیفہ ہو کر بڑے صحابہ سے اپنی تنخواہ کے بارے میں بات چیت کی تو عثمان غنی نے کہا کل وأطعم یعنی بیت المال سے لے کر کھائیے اور اپنے اہل وعیال کو بھی کھلائیے، عثمان غنی کے قول کے ابہام اور مضمر وسعت کو دور کرنے کے لئے علی حیدر نے کہا غداء وعشاء یعنی صبح شام کا کھانا آپ بیت المال سے لے سکتے ہیں[1]، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ عمر فاروق کی کوئی تنخواہ مقرر نہیں ہوئی تھی، بڑے صحابہ نے ان کو اپنے اور اپنے اہل وعیال کی ضروریات لینے کا حق دے دیا تھا، جیسے غلہ گھی، تیل، دودھ اور کپڑا۔ عمر فاروق کا خاندان کافی بڑا تھا، چار بیویاں تھیں تین امہات اولاد، ایک درجن سے زیادہ بچے جن میں کئی ایک کی شادی ہو گئی تھی اور کئی ایک ہنوز ان کے دست نگر تھے، اس میں شک نہیں کہ وہ نہایت کفایت شعار آدمی تھے اور چونکہ بچپن ایک معمولی گھرانے میں گذرا تھا جہاں اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے[2] اس لئے عادۃً ان کو بڑھیا کھانے اور بڑھیا پہننے کا شوق بھی نہ تھا تاہم ان کا خرچ زیادہ تھا، صرف ام کلثوم، علی حیدر کی کمسن صاحبزادی سے ان کی شادی سنہ ۱۷ھ میں مبلغ ہزار روپے مہر[3] ادا کر کے ہوئی تھی، بال بچوں کے علاوہ اپنے بھائی زید بن خطاب کے کنبہ کی کفالت بھی ان کے ذمہ تھی، زید جنگ یمامہ میں مارے گئے تھے، دوسرے نادار اور غریب رشتہ داروں کا بھی ان پر بار تھا، آمدنی بڑھانے کے لئے وہ تجارت میں بھی روپیہ لگاتے تھے[4] ۱۹ھ، ۲۰ھ میں جب جزیہ اور خراج کی لگی بندھی رقمیں آنے لگیں اور مہاجر و انصار کی تنخواہیں مقرر ہوئیں تو ان کو دو ڈھائی ہزار روپیہ سالانہ کی مزید آمدنی ہو گئی، خیبر سے ان کو سالانہ کئی سو من کھجور بھی ملتی تھی[5]۔ اس کے علاوہ ابو بکر صدیق کی طرح رسول اللہ نے ان کو بھی یہودیوں

---

۱ طبقات ابن سعد ۳/ ۲۲۱۔ ۲ تاریخ الامم ۵/ ۲۹۔ ۳ کنز العمال ۷/ ۹۰ و تاریخ الامم ۵/ ۱۶۔

۴ طبقات ابن سعد ۳/ ۲۲۱۔ ۵ فتوح البلدان ص ۳۵۔

کی املاک سے تین جاگیریں دی تھیں جن کی بیس ہزار روپے سالانہ آمدنی تھی اس کے باوجود برابر خزانہ سے قرض لیتے رہتے تھے اور انتقال کے وقت ان پر سینتالیس ہزار روپے کا قرضہ تھا۔[۱]

عثمان غنی کی تنخواہ کے بارے میں ہمیں کچھ نہیں معلوم ہو سکا، ان کے حالات کے ضمن میں اس موضوع پر کسی قسم کی روشنی نہیں ڈالی گئی، معلوم ہوتا ہے وہ اعزازی کام کرتے تھے اور یہ بات بعید از قیاس بھی نہیں کیونکہ وہ اتنے مالدار تھے کہ ان کو بیت المال سے ایک پائی تک لینے کی ضرورت نہ تھی، ان کی مالداری کی بعض مثالیں تو حیران کن ہیں مثلاً ہمارے رپورٹر کہتے ہیں کہ ایک موقع پر انہوں نے غالباً تالیفِ قلب کے لئے امیدوارِ خلافت زبیر بن عوام کو تین لاکھ روپے کا عطیہ دیا تھا[۲] اور ایک دوسرے موقع پر جب مدینہ قحط کی زد میں آیا ہوا تھا اور خورد ونوش کا سامان کمیاب تھا تو انہوں نے ہزاروں اونٹوں کا ایک کاروان جو ان کے روپے سے تجارت کا آٹا، روغن زیتون اور کشمش لے کر آیا تھا، غریبوں میں بٹوا دیا تھا۔

ابوبکر صدیق نے چار شادیاں کیں، دو اسلام سے پہلے اور دو اسلام کے بعد، ان کے چھ بچے تھے، عمر فاروق نے ناٹھ عقد کئے، ان کی امہات اولاد دو تھیں، بچے کم از کم چودہ[۳]، علی حیدر نے بی بی فاطمہ کے بعد سات مزید شادیاں کیں، ان کی متعدد امہاتِ اولاد بھی تھیں، بچے اکتیس تھے[۴]۔ عثمان غنی کی کل سات یا آٹھ بیویاں بتائی جاتی ہیں اور ایک ام ولد، بچے ڈیڑھ درجن تھے[۵]، رسول اللہؐ کی دو صاحبزادیاں رقیہؓ اور ام کلثومؓ ان سے منسوب تھیں، بی بی رقیہ کا ۲ھ میں جنگ بدر کے زمانہ میں

---

۱ طبقات ابن سعد ۳/۲۲۳ - ۲ ایضاً ۳/۵۱، - ۳ نسب قریش مصعب زبیری۔ ایڈیٹر لیوی پرووِنسال۔ مصر ۱۹۵۳ء ص ۳۴۰-۳۵۰، تاریخ الامم ۵/۱۶ میں صرف بارہ کا ذکر ہے۔

۴ طبقات ابن سعد ۳/۱۱ - ۵ ایضاً ۳/۲۷ و تاریخ الامم ۵/۱۴۷-۱۴۸۔

غالباً چیچک سے انتقال ہوا، ۲ھ میں رقیہ کی بہن ام کلثوم سے ان کا عقد ہوا لیکن چند سال بعد ۹ھ میں ام کلثوم بھی وفات پا گئیں، صرف رقیہ سے ایک بچہ ہوا جو بچپن ہی میں فوت ہو گیا، ان دونوں بہنوں کا کتنا مہر تھا، یہ بتانا ہمارے لیے مشکل ہے رسول اللہ کی بیویوں اور لڑکیوں کے مہر کے بارے میں ہمارے مورخ ایک عام بات کہتے ہیں کہ وہ بارہ اوقیہ اور نش یعنی ڈھائی سو روپئے سے زیادہ نہ ہوتا تھا لیکن عثمان غنی کی دوسری بیویوں کے مہر کی مقدار بہت زیادہ بتائی گئی ہے، نجدی لیڈر عُیَینہ بن حِصن کی لڑکی ام البنین سے انہوں نے ڈھائی ہزار مہر پر شادی کی تھی، ایک قرشی رئیس شیبہ بن ربیعہ کی لڑکی رَملہ سے پندرہ ہزار اور بقول بعض بیس ہزار اور ایک دوسرے قرشی رئیس خالد بن اسید (بروزن رسید) کی لڑکی سے بیس ہزار مہر پر[1]، ان کی آخری شادی ۲۸ھ میں جب وہ لگ بھگ بہتر سال کے تھے ایک عیسائی خاندان کی لڑکی نائلہ سے ہوئی، اس کا مہر پانچ ہزار روپئے تھا، اگر ایک طرف ان اعداد و شمار کو اور دوسری طرف عثمان غنی کی دولتمندی اور رسول اللہ کی لڑکیوں کی حرمت کو سامنے رکھا جائے تو اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ ان کا مہر ڈھائی سو سے بہت زیادہ رہا ہوگا۔

بڑے صحابہ میں عثمان غنی سب سے زیادہ صلح جو اور جنگ و پیکار سے نفور تھے، اُن کا ہاتھ نہ مسلمان پر اٹھتا تھا نہ رشتہ دار پر چاہے وہ غیر مسلم ہی کیوں نہ ہوتا، جنگِ بدر کو چھوڑ کر وہ رسول اللہ کی ساری لڑائیوں میں جن میں سے کئی قریش مکہ سے ہوئیں شریک ہوئے لیکن ان جنگوں میں انہوں نے کوئی نمایاں رول ادا نہیں کیا، دوسرے صحابہ کے بارے میں ہمارے رپورٹر خبر دیتے ہیں کہ ان کے ہاتھ سے قریش کے ایک یا زیادہ افراد زخمی یا ہلاک ہوئے لیکن عثمان غنی کے بارے

---

[1] انساب الاشراف ۱۳/۵۔

میں کوئی ایسی خبر نہیں دیتا، قریش کے متعدد اکابر جو رسول اللہ سے لڑنے آئے تھے عثمان غنی کے رشتہ دار یا دوست تھے، ان کی صلح جوئی، غیرت اور مروت کسی پر ہاتھ اٹھانے کی اجازت نہ دیتی تھی، صحابہ کے زمرہ میں جس صحابی نے سب سے زیادہ اکابر قریش کو قتل کیا وہ علی حیدر تھے، صرف جنگ بدر میں ۱۳ سے زیادہ قرشی جن میں سے کئی ایک عثمان غنی کے رشتہ دار تھے ان کی تلوار کا لقمہ ہوئے اور جنگ اُحد میں چار، علی حیدر کی خلافت میں رکاوٹ اور بعد میں ناکامی کے وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ قریش کے کئی بڑے خاندان جن کے بزرگوں اور عزیزوں کو انہوں نے قتل کیا تھا، ان سے کینہ خاطر تھے۔

عثمان غنی کی صلح جوئی اور تشدد سے نفور کی اس صفت سے لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا، پہلے وہ گستاخی سے پیش آئے پھر باغی ہو گئے، چالیس یا پچاس دن تک ان کی حویلی کا مدینہ اور باہر کے لوگوں نے محاصرہ کیا لیکن انہوں نے کوئی سختی نہیں برتی، محاصرہ کے کچھ دن بعد حویلی میں پانی اور خوراک کا داخلہ بھی بند کر دیا گیا، عثمان غنی نے اس کو بھی برداشت کیا، باغیوں نے ان کے کچھ ساتھیوں پر تیر چلا کر زخمی کر دیا، وہ اب بھی صلح جوئی کے جادہ سے نہیں ہٹے، حویلی میں ان کے پاس دس میں نہیں سات سو آدمی تھے، ہتھیاروں سے مسلح جو بار بار کہتے کہ ہمیں لڑنے کی اجازت دیجیے لیکن وہ منع کر دیتے، آخر کار اپنی صلح جوئی پر انہوں نے خلافت کے ساتھ جان بھی قربان کر دی۔

عثمان غنی اپنی فیاضی اور مروت کی وجہ سے قریش و انصار کے بہت سے لوگوں میں مقبول تھے، اس زمانہ کی اس دعا سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے: أَحَبَّكَ الرَّحْمٰنُ حُبَّ قُرَيْشٍ لِعُثْمَانَ۔ خدا کو تم ایسے پیارے ہو جیسے قریش کو عثمان ہیں، ان کی مقبولیت

---

۱۵ مغازی قاضی واقدی کلکتہ ۱۸۵۶ء ص ۲۹۸ - ۳۰۰۔

کا ایک سبب یہ تھا کہ خلافت کا چارج لیتے ہی انھوں نے اہلِ مدینہ کی سالانہ تنخواہ میں پچاس روپے کا اضافہ کر دیا تھا، دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے گورنروں کے نئے عسکری اقدامات اور فتوحات سے مرکزی خزانہ کی آمدنی بہت بڑھ گئی تھی اور تنخواہوں کے علاوہ لوگوں کو آئے دن مالِ غنیمت کے حصے ملتے رہتے تھے، ان کے ایک نوعمر ہمعصر اور شہری حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) کہتے ہیں: میں نے خلیفہ عثمان کے منادی کو کہتے سُنا: لوگو! صبح جا کر اپنی تنخواہیں لے لو، وہ صبح کو جاتے اور بہر زمانہ سے زیادہ تنخواہ لے لیتے، کسی دن ان کا منادی یہ آواز لگاتا: لوگو صبح جا کر اپنا راشن لے لو وہ جاتے اور پورا پورا راشن لے لیتے، کسی دن منادی یہ اعلان کرتا: لوگو! صبح جا کر کپڑے اور جوتے لے لو، کسی دن منادی کی یہ صدا فضا میں گونجتی: لوگو صبح جا کر گھی اور شہد لے لو۔" مختصر یہ کہ روپے پیسے اور سامانِ خورد و نوش کی مدینہ میں خوب بہتات تھی۔[۱]

عثمان غنی کی فیاضی، نرمی اور مروت کو مخالف پارٹیوں نے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کیا، عثمان غنی نے بڑے صحابہ کی نقل و حرکت سے وہ ساری پابندیاں اٹھالیں جو عمر فاروق نے لگائی تھیں، عمر فاروق سخت آدمی تھے اور وہ سب پر کڑی احتسابی نظر رکھتے تھے اور بڑے صحابہ کو کوئی ایسا کام نہ کرنے دیتے جس سے شورش یا پھوٹ پیدا ہوتی، اس کے علاوہ انھوں نے بڑے صحابہ کو جن میں سے کئی خلافت کے خواہشمند تھے نہ تو کوئی عہدہ دیا اور نہ مدینہ سے شام، عراق یا مصر کے صدر مقاموں میں جا کر بسنے کی اجازت دی، ان کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ لوگ مرکزِ خلافت سے دور چلے گئے تو اپنی پوزیشن سے فائدہ اٹھائیں گے اور عربوں کی مدد سے خلیفہ بننے کی کوشش کریں گے، امام شعبی: "عمر فاروق کی سخت گیری اور روکھے پن سے اکابر قریش پریشان ہو گئے تھے، انھوں نے مدینہ میں بڑے صحابہ کو بند کر رکھا تھا، جب وہ باہر جانے کی

---

[۱] الامامۃ والسیاسۃ صفحہ ۲۰، وازالۃ الخفاء ۲/۲۳۴۔

اجازت مانگتے تو عمر فاروق انکار کر دیتے اور کہتے: "اس قوم کی سلامتی کے لیے مجھے کسی بات سے اتنا اندیشہ نہیں جتنا آپ کے باہر جانے سے ہے۔" اکابر قریش اور بالخصوص مہاجرین میں سے اگر کوئی رومیوں یا فارسیوں سے جہاد کے لیے جانے کو کہتا تو وہ کہتے: رسول اللہ کے ساتھ آپ نے جو جہاد کیا ہے وہ آپ کی سرخروئی کے لئے کافی ہے، اس وقت یہی بہتر ہے کہ نہ تو آپ دنیا کو دیکھیں اور نہ دنیا آپ کو؟ عمر فاروق کے بعد عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اکابر قریش کو ڈھیل دے دی اور وہ مختلف ملکوں کو چلے گئے جہاں لوگ ان سے ملنے جلنے لگے اور ان کی وفاداری کا دم بھرنے لگے ....[1] قاضی ابن قتیبہ: عمر فاروق سخت آدمی تھے، انہوں نے قریش کا قافیہ تنگ کر رکھا تھا، اس لئے جب تک وہ زندہ رہے کوئی قریشی دنیاوی نعمتیں حاصل نہ کر سکا[2] سیف بن عمر: عثمان غنی کی خلافت کو ابھی ایک سال بھی نہ گذرا تھا کہ قریش کے بعض اکابر نے اسلامی صدر مقاموں میں جائدادیں بنالیں، بہت سے لوگ ان کے حامی اور وفادار ہوگئے پھر عبداللہ بن سبا نے مسلمان ہو کر علی حیدر کی خلافت کی مہم چلائی، اس اثناء میں دولت و خوشحالی بھی بہت بڑھ گئی، ابنِ سبا کے پروپگنڈے اور ریشہ دوانیوں سے مختلف شہروں میں حکومت کے خلاف شورش ہونے لگی اور بغاوت کی ایسی ہوا چلی کہ لوگ عثمان غنی کی حکومت کو ناپسند کرنے اور علی حیدر کو خلیفہ بنانے کی کوشش کرنے لگے[3]"

بڑے صحابہ میں علی حیدرؓ، طلحہؓ بن عبید اللہ اور زبیرؓ بن عوام خلافت کے خواہشمند تھے علی حیدر رسول اللہ کے چچا زاد بھائی اور داماد تھے، اس کے علاوہ رسول اللہ کی ابتدائی جنگوں میں بھی انہوں نے نمایاں حصہ لیا تھا، ان کو اور ان کی بیوی فاطمہؓ

---

[1] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید مصر ۳/۱۵ [2] الامامہ والسیاسہ صہ ۲۷۔

[3] تاریخ الامم ۵/۱۳۲۔

کو امید تھی کہ رسول اللہ ان کو اپنا جانشین مقرر کریں گے اور نبوت کے ساتھ خلافت کی بنیاد بھی ہمیشہ کے لئے بنوہاشم یا عبدالمطلب کے معزز خاندان میں مستحکم ہو جائے گی لیکن رسول اللہ اپنا جانشین نامزد کئے بغیر رحلت کر گئے اور ابوبکر صدیق خلیفہ بنائے گئے، ان کے انتخاب سے علی حیدر کو بڑا ملال ہوا، ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کو اپنا جانشین نامزد کیا، علی حیدر کو اس سے مزید دکھ اور مایوسی ہوئی اور جب اصحاب شوریٰ نے عثمان غنی کو خلیفہ بنایا تو علی حیدر کی برہمی کا پیمانہ لبریز ہو گیا اور انہوں نے تہیّہ کیا جیسا کہ ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ عثمان غنی کی خلافت کو کامیاب نہ ہونے دیں گے لئن مات عمر ولیموتنّ لیجتمعنّ هولاء القوم علیٰ أن یصرفوا هذا الأمر عنّا ولئن فعلوها ولیفعلنّ لیروننی حیث یکرهون۔[۱]

طلحہ بن عبیداللہ بھی رسول اللہ کے عزیز اور ہم زلف تھے، رسول اللہ کی بیوی زینب بنت جحش کی بہن حمنہ ان کو بیاہی تھیں[۲] ابتدائی جنگوں میں بھی انہوں نے امتیازی رول ادا کیا تھا، اس کے علاوہ ابوبکر صدیق کے چچازاد بھائی اور داماد بھی تھے، ان کی خواہش تھی کہ ابوبکر صدیق ان کو اپنا جانشین مقرر کریں تاکہ خلافت قبیلہ تیم میں مرکوز ہو جائے، لیکن مرتے وقت جب ابوبکر صدیق نے عمر فاروق کے لئے وثیقۂ خلافت لکھوایا تو وہ بگڑے ہوئے آئے اور ابوبکر صدیق سے احتجاجاً کہا: آپ خدا کو کیا جواب دیں گے جب وہ پوچھے گا کہ تم نے ایک سخت اور بدمزاج شخص کو کیوں خلیفہ بنایا؟"

زبیر بن عوام بھی رسول اللہ کے رشتہ دار، ابوبکر صدیق کے داماد اور اسلامی خدمات کے مالک تھے، ان کو بھی خلافت کی چاہ تھی اور اس چاہ کو ان کے لڑکوں بالخصوص عبداللہ بن زبیر کے اصرار نے اور زیادہ بڑھا دیا تھا، عمر فاروق

---

[۱] شرح نہج البلاغہ ۲/۲۱۰۔ [۲] انساب الاشراف ۱/۴۳۲ و اصابہ ۴/۲۷۵۔

نے بڑے صحابہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ نامزد نہیں کیا، ان کے معیار پر کوئی بھی پورا نہ اترتا تھا، اس لئے مرتے وقت انہوں نے چھ اور بقول بعض پانچ افراد کا ایک پینل مقرر کیا کہ باہمی مشورہ سے کسی ایک کو اپنے درمیان سے خلیفہ منتخب کرلیں، اس پینل میں یہ لوگ تھے: عثمان غنیؓ ان کی عمر اس وقت ستر برس کی تھی، اور وہ پینل کے باقی ارکان سے زیادہ سن رسیدہ تھے، علی حیدرؓ، یہ کوئی پینتالیس [۴۵] سال کے تھے، عبدالرحمٰنؓ بن عوف، ان کا سن قریب سٹرسٹھ [۶۶] سال کے تھا، طلحہ بن عبید اللہؓ، ان کی عمر چالیس سال سے کچھ اوپر تھی، زبیر بن عوامؓ یہ بیالیس تینتالیس [۴۳] برس کے تھے اور سعدؓ بن ابی وقاص، ان کی عمر بھی لگ بھگ اتنی ہی تھی، رسول اللہﷺ کے پرانے ساتھی ہونے کے علاوہ ان چھ کو اپنی دولت و ثروت کی وجہ سے معاشرہ اور اپنے اپنے قبیلوں میں بڑا رسوخ و اثر حاصل تھا، اہل مدینہ انہی کی آنکھوں سے دیکھتے اور انہی کے کانوں سے سنتے، بڑی کشمکش اور ڈپلومیٹک سرگرمیوں کے بعد عثمان غنی کا انتخاب ہوا، اس انتخاب کے نتیجہ میں چار سیاسی پارٹیاں مدینہ کے افق پر ابھر آئیں، ایک اور سب سے زیادہ طاقتور علی حیدر کے حامیوں کی، دوسری طلحہ کی، تیسری زبیر بن عوام کی اور چوتھی بنو امیہ کی جو عثمان غنی کے رشتہ دار اور عبد شمس کے خاندان سے تھے، پارٹی بندی کی بنیاد اسی وقت پڑ گئی تھی جب ابو بکر صدیق کا انتخاب ہوا تھا، جس سے بگڑ کر بعض اکابر انصار اور ان کے زیر اثر عربوں نے ترک موالات کر دی تھی، اور جس سے ناراض ہو کر علی حیدر عرصہ تک ابو بکر صدیق کی بیعت سے گریز کرتے رہے تھے، ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ وہ اپنی بیوی فاطمہؓ اور دونوں بچوں حسن اور حسین کو ساتھ لے کر راتوں میں مہاجرین و انصار کے گھر جاتے اور اپنی بیعت کے لئے کوشش کرتے، چند مہاجر اور بہت سے انصار ان کے حامی ہو گئے اور ان کی بیعت کا وعدہ[1]

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۳/۵۔

بھی کرلیا، ان میں سے چار کے نام یاد رکھنے کے قابل ہیں: عمار بن یاسر، ابوذرؓ، سلمانؓ اور مقداد بن عمروؓ. لیکن اس وقت عربوں کی عام بغاوت اور اس سے پیدا ہونے والی عام پریشانیوں اور مصروفیتوں میں علی حیدرؓ کی تحریک اُبھر نہ سکی، خلافت کے استحقاق کے لیے رسول اللہ کی دامادی علی حیدرؓ کی سب سے بڑی دلیل تھی، طلحہؓ اور زبیرؓ دونوں ابوبکر صدیقؓ کے داماد تھے اور خلافت کی حقداری کے لئے یہ رشتہ ان کی سب سے بڑی دلیل تھا، یہ چاروں سیاسی پارٹیاں عمر فاروقؓ کے زمانہ خلافت میں موجود تھیں لیکن دبی دبی، عمر فاروقؓ کو ان کا علم تھا اس لئے انہوں نے نہ تو علی حیدرؓ کو کوئی عہدہ دیا، نہ طلحہؓ اور زبیرؓ کو، ان کو اندیشہ تھا کہ اگر یہ لوگ مدینہ سے باہر چلے گئے تو اپنی خلافت کی خواہش کو پروان چڑھانے کی کوشش کریں گے، خلافت کا چارج لے کر ایک طرف انہوں نے ایسی سادہ اور بے رونق زندگی بسر کی کہ مخالفوں کے دل میں حسد، اشتعال اور خوردہ گیری کے جذبات کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملا اور دوسری طرف ایسی کڑی نظر رکھی کہ بڑے سے بڑے صحابی کو برملا کوئی غیر تندرست کارروائی کرنے کی جرأت نہ ہوئی، اُن کے کوڑے، زبان اور تیکھی نظر سے سب ڈرتے تھے، ان کی اس روش اور پالیسی کے باوجود پارٹی بندی کا ماحول قائم تھا، یہ ماحول ان کی آخر عمر میں کمیت اور کیفیت دونوں میں اتنا بڑھ گیا تھا کہ ایک دن انہوں نے بڑے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: "مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے الگ الگ حلقے بنائے ہیں، دو آدمی بھی اگر ساتھ بیٹھتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں کی پارٹی کے ہیں.... بخدا گروہ بندی بہت جلد آپ کے دین، شرافت اور تعلقات پر کاری ضرب لگائے گی...."

عثمان غنیؓ کی خلافت کا ڈھنگ عمر فاروقؓ سے مختلف تھا، ان کے لئے عمر فاروقؓ

لہ کتاب المحبر محمد بن حبیب بغدادی حیدرآباد دکن ۱۹۴۲ء ص۲۹۱۔ لہ تاریخ الامم ۵۱/۵ -

کی روش پر چلنا ممکن بھی نہ تھا، کیونکہ وہ مالدار و خوش حال تھے، عمر فاروق مالی مشکلات میں دبے رہتے تھے، وہ خوب داد و دہش کرتے، عمر فاروق کو داد و دہش ناپسند تھی، وہ صاف ستھری اور پُر آرام زندگی بسر کرتے، عمر فاروقؓ نہ عمدہ کھاتے نہ عمدہ پہنتے، نہ اپنے متعلقین کو اچھا کھلاتے پلاتے، عمر فاروق ہاتھ میں کوڑا رکھتے اور مہاجر صحابہ تک کو مارتے اور پھٹکارتے، عثمان غنی نے کبھی کوڑا ہاتھ تک میں نہیں لیا، ان کی نرمی اور مروت سے مخالف گستاخ ہو گئے، ان کی دولت، داد و دہش اور پُر آرام زندگی نے ان کو حاسد بنا دیا، ان پر نقد ہونے لگا اور ان کے خلاف زبان کھل گئی، ان کو بدنام کرنے اور عوام میں اشتعال پیدا کرنے کے لئے ان کی معمولی سی معمولی باتوں پر اعتراض کیا جانے لگا اور ان کی چھوٹی سی چھوٹی کوتاہی فرد جرم بنا کر اچھالی جانے لگی، وہ اگر اپنے روپیہ سے کسی کے ساتھ سلوک کرتے یا رہائش کے لئے مکان بنواتے تو خبر اڑ جاتی کہ خزانہ کا روپیہ غصب کیا گیا ہے، وہ اپنے روپیہ سے اگر مسجد مدینہ کی توسیع کراتے تو اس کو "بدعت" سے تعبیر کیا جاتا۔

الیکشن

جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے عمر فاروق نے مرتے وقت چھ بڑے صحابہ کا ایک پینل مقرر کیا تھا جن میں سے کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنا تھا، ان کے نام ہیں: عثمان غنیؓ علی حیدرؓ، عبدالرحمٰن بن عوف، طلحہ بن عبیداللہؓ اور زبیرؓ بن عوام اس وقت پینل کے ایک رکن طلحہؓ موجود نہ تھے اور کسی کام سے اپنی جائداد کو گئے ہوئے تھے جو مدینہ سے باہر تھی، عمر فاروق نے باقی پانچوں کو بلایا اور کہا: "بی بی عائشہؓ کے قریب جا بیٹھئے اور باہمی مشورہ سے کسی ایک کو چن لیجئے"۔ پینل کے پانچوں ارکن بی بی عائشہؓ کے کمرہ کے قریب جا بیٹھے اور انتخابی گفتگو ہونے لگی، تھوڑی دیر گذری تھی کہ آوازیں بلند ہونے لگیں اور پینل کے ارکان خلافت کے لئے اپنی اپنی فضیلت اور اہلیت کا پُرزور

اظہار کرنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جھگڑا یا تصادم ہو رہا ہے، عمر فاروق پر حملہ کا چوتھا دن تھا، خون بہنے سے وہ بیحد کمزور ہو گئے تھے اور چند گھنٹے کے مہمان تھے، پینل کے اختلاف وشور سے ان کو اذیت ہوئی اور انہوں نے کہلا بھیجا کہ میری موت تک خلافت کی گفتگو موقوف رکھی جائے، میری وفات کے بعد آپ لوگ پھر جمع ہوں اور تین دن کے اندر اندر کسی ایک کو منتخب کریں، انہوں نے ایک بڑے انصاری صحابی ابوطلحہؓ کو بلایا اور کہا کہ پچاس مسلح انصاری اپنے ساتھ لو اور پینل کے ارکان کو ایک مکان میں لے جاؤ اور مجبور کرو کہ کسی ایک کا انتخاب کرلیں، اس کام کے لئے تین دن کی مہلت دیتا ہوں، اس دوران اگر طلحہ لوٹ آئیں تو ان کو بھی انتخابی کارروائی میں شامل کر لیا جائے، اس سلسلہ میں ایک بات یاد رکھو اور وہ یہ کہ اگر پینل کے چار ممبر کسی ایک کے انتخاب پر متفق ہوں اور پانچواں اس سے اختلاف کرے تو کی گردن اڑا دو، اور اگر پینل کے تین ممبر کسی ایک کے انتخاب پر متفق ہوں اور دو اس سے اختلاف کریں تو ان کو بھی قتل کر دو، اگر پینل کے نصف ممبر ایک فریق کی تائید کریں اور نصف دوسرے کی تو خلیفہ اس فریق کو بنایا جائے جس کو عبدالرحمٰن بن عوف کی تائید حاصل ہو، اگر پینل کے ارکان باہمی اختلاف کی وجہ سے تین دن کے اندر اندر کسی ایک کا انتخاب کرنے سے قاصر رہیں تو ان کو قتل کر دینا[1]۔

یہ اعلان سن کر علی حیدر گھر گئے اور انہوں نے اپنے چچا عباس اور دوسرے خاندانی بزرگوں سے شکایت کی کہ عمر فاروق نے ایسا پلان بنایا ہے کہ اس بار بھی خلافت ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گی، چچا عباس نے پوچھا: وہ کیسے؟ تو علی حیدر نے کہا: کسی ایک شخص کے بالاتفاق منتخب ہونے کا تو کوئی سوال ہی نہیں ہے، اس وقت میدان میں میں ہوں اور عثمان، سعد بن ابی وقاص، عبدالرحمٰن بن عوف کے چچازاد بھائی ہیں

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۱/۶۲-۶۵ وتاریخ الامم ۵/۳۴-۳۵۔

اور عبدالرحمٰن، عثمان غنی کے قرابت دار، لہٰذا یہ دونوں عثمان غنی کو ضرور ہی ووٹ دیں گے اور اگر بالفرض بینل کے باقی دو رکن یعنی طلحہ اور زبیر مجھے ووٹ دے بھی دیں تب بھی خلافت مجھے نہیں مل سکتی کیونکہ عمر نے وصیت کر دی ہے کہ خلیفہ وہ فریق ہوگا جس کو عبدالرحمٰن بن عوف کی تائید حاصل ہو، بخدا اگر عمر جیتے رہے تو میں بتاؤں گا جیسی انہوں نے ہماری حق تلفی کی ہے اور اب اور پہلے جیسی جیسی ہمارے ساتھ بدسلوکیاں کی ہیں اور اگر مر گئے جیسا کہ پورے آثار ہیں تو بینل کے باقی رکن یقیناً خلافت سے ہم کو محروم کر دیں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا اور یقیناً کریں گے تو میں بھی ان کو چین سے نہ بیٹھنے دوں گا۔ [1]

عمر فاروق کی تجہیز و تکفین کے بعد بینل کے پانچوں رکن خلافت کی گتھی سلجھانے ایک مکان میں جمع ہوئے، مکان کے دروازہ پر عمر فاروق کی حسب ہدایت الیکشن نگراں ابو طلحہ اور پچاس مسلح انصاریوں نے جگہ لے لی، جب کافی وقت ردوقدح میں گذر گیا اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا بلکہ گتھی سلجھنے کی بجائے اور زیادہ الجھ گئی تو عبدالرحمٰن بن عوف نے خلافت کی امیدواری سے دست بردار ہونے کا ارادہ کر لیا اس وقت ان کی عمر سرسٹھ سال کی تھی، رئیس آدمی تھے، خوش خور و خوش پوش، اعزاز کے علاوہ خلافت میں ان کے لئے کوئی مادی کشش نہ تھی، بلکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر میں خلیفہ ہوا تو عمر فاروق کی سی خشک اور روکھی زندگی میرے لئے بسر کرنا ناممکن ہے اور اگر میں نے ایسی زندگی بسر نہ کی تو میری خلافت کامیاب نہیں ہوگی اور خلافت کے امیدواروں کے ہاتھوں مجھے ہرگز چین اور سکھ نصیب نہ ہوگا لہذا لہذا انہوں نے بینل سے کہا کہ میں خلافت سے دست بردار ہوتا ہوں اور اگر آپ

---

[1] شرح نہج البلاغہ بحوالہ زیادات کتاب السقیفہ احمد بن عبدالعزیز جوہری ۲/۹۰۴ و تاریخ الامم فرق کے ساتھ ۵/۳۵ و انساب الاشراف ۵/۲۰ ۔

لوگ راضی ہوں تو اپنی اور مسلمانوں کی صوابدید سے جس کو مناسب سمجھوں منتخب کر لوں سب سے پہلے عثمان غنی نے اس تجویز پر اظہارِ رضامندی کیا پھر دوسرے ارکان نے، علی حیدر نے کہا: "میں غور کر کے جواب دوں گا۔" لیکن نگران کو اس نئی اور امید افزا صورت حال کا علم ہوا تو وہ علی حیدر سے ملے اور سمجھا بجھا کر ان کو عبدالرحمٰن کی تجویز پر آمادہ کر لیا، علی حیدر نے عبدالرحمٰن بن عوف سے کہا: "آپ حلف لیجئے کہ انتخاب میں آپ اپنی ذاتی رائے اور خواہش کو دخل نہ دیں گے، نہ رشتہ اور کنبہ کا خیال کریں گے بلکہ حق اور انصاف سے کام لیں گے اور قوم کے مفاد کو پیشِ نظر رکھیں گے۔" عبدالرحمٰن بن عوف نے یہ حلف لے لیا، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے زبیرؓ بن عوام اور سعد بن ابی وقاصؓ کو بھی خلافت سے دست بردار ہونے کے لئے تیار کر لیا سعدؓ عبدالرحمٰنؓ کے سمدھی تھے، ان کو خلافت کی زیادہ چاہ بھی نہ تھی، وہ عمر فاروق کے زمانے میں کئی برس تک کمانڈری اور گورنری کر چکے تھے، مذہبی تشدد اور قبائلی تمرد کے تلخ تجربات نے ان کے دل میں امارت و خلافت کی کوئی پرزور لگن باقی نہ رکھی تھی، زبیرؓ بن عوام یہ محسوس کر کے دب گئے کہ عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کی تائید سے محروم ہو کر اُن کے لئے خلیفہ بننے کا کوئی امکان نہیں ہے اب میدان میں صرف علی حیدرؓ اور عثمان غنیؓ باقی رہ گئے، دو ڈھائی دن تک عبدالرحمٰن بن عوفؓ اہالیِ مدینہ، قریش و انصار کے اکابر نیز ان گورنروں سے ملتے رہے جو اس وقت مدینہ میں موجود تھے اور علی حیدرؓ و عثمان غنیؓ دونوں کے بارے میں اُن سے مشورہ کرتے رہے، اس وقت علی حیدرؓ کے خاندان بنو ہاشم کو چھوڑ کر باقی سارے اکابر قریش، عثمان غنی کا انتخاب چاہتے تھے، انصار میں تین رجحان تھے، ان کا ایک بڑا گروہ علی حیدرؓ کا مؤید تھا، ایک دوسرا لیکن پہلے سے چھوٹا گروہ عثمان غنی کے حق میں تھا اور ایک تیسری جماعت غیر جانبدار رہی تھی۔[1]

---

[1] شرح نہج البلاغہ ۲/۴۱۰ ۔

ڈھائی دن استصواب رائے کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے پینل کا جلسہ منعقد کیا، مدینہ کے بڑے چھوٹے سب جمع ہو گئے، عبدالرحمٰن بن عوف نے پینل کے ہر رکن کو فرداً فرداً بلایا اور اس سے حلف لیا کہ ان کے فیصلہ کو مانے گا اور مخالفت نہیں کرے گا، پھر انہوں نے علی حیدرؓ کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "یہ عہد کیجئے کہ اگر آپ کا انتخاب کیا گیا تو آپ اپنے کنبہ کے لوگوں کو عہدے دے کر مسلمانوں پر مسلط نہیں کریں گے اور رسول اللہؐ نیز شیخین کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔" علی حیدر: "میں ایسی باتوں کا عہد کیسے کر سکتا ہوں جو میری استعداد، علم اور قدرت سے باہر ہوں، رسول اللہؐ کے نقشِ قدم پر چلنا کس کے بس کی بات ہے، البتہ میں یہ وعدہ کر سکتا ہوں کہ اپنے علم اور اجتہاد کے مطابق عمل کروں گا اور رسول اللہؐ کی مثال پر اپنے بس بھر چلوں گا۔" عبدالرحمٰن بن عوف نے علی حیدر کا ہاتھ چھوڑ کر عثمان غنی کا ہاتھ پکڑا اور کہا: "یہ عہد کیجئے کہ اگر آپ کو خلیفہ بنایا گیا تو آپ اپنے کنبہ والوں کو عہدے دے کر مسلمانوں پر مسلط نہیں کریں گے اور رسول اللہ نیز شیخین کے نقشِ قدم پر چلیں گے۔" عثمان غنی نے یہ عہد کر لیا، اس کے بعد عبدالرحمٰن بن عوف نے دو بار پھر علی حیدر سے حسبِ سابق عہد طلب کیا لیکن انہوں نے ہر بار وہی جواب دیا جو پہلی دفعہ دیا تھا، اس کے برخلاف عثمان غنی نے ہر بار بلا پس و پیش عہد پر عمل کرنے کا وعدہ کر لیا۔[1] بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ عہد کے الفاظ یہ تھے: "خدا کے نام پر یہ عہد کیجئے کہ میں کتاب اللہ، سنتِ رسول اللہؐ، نیز ابوبکر و عمر کے نقشِ قدم پر چلوں گا۔" عثمان غنی نے یہ عہد کر لیا لیکن علی حیدر نے کہا: "میرے لئے یہ عہد کرنا مشکل ہے، البتہ میں اپنی قدرت اور علم کی حد تک رسول اللہؐ نیز ابوبکر و عمر کی سیرت پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔"[2] علی حیدر کے اس پُر احتیاط اور غیر حتمی جواب کی ایک دلچسپ وجہ بیان کی گئی ہے، ہمارے

---

[1] انساب الاشراف ۵/۲۱-۲۲ - [2] تاریخ امم ۵/۳۷ و ۴۰ -

رپورٹر کہتے ہیں کہ صحابی عمرو بن عاص ایک دن پہلے علی حیدر سے ملے تھے اور ان سے کہا تھا کہ عبدالرحمن بن عوف کو قطعی اور حتمی جواب ناپسند ہے، لہٰذا اگر وہ خلافت کے لئے کوئی وعدہ لیں تو غیر قطعی الفاظ میں کرنا، پھر عمرو بن عاص عثمان غنی سے ملے اور ان سے کہا کہ عبدالرحمن بن عوف کو غیر قطعی جواب ناپسند ہے اس لئے اگر وہ خلافت کے لئے کوئی عہد طلب کریں تو قطعی اور حتمی الفاظ میں کرنا۔[۱]

عبدالرحمن بن عوفؓ نے عثمان غنی کو الیکٹ کر لیا، سارے حاضرین نے ان کی بیعت کرلی، صرف علی حیدر بیعت سے گریزاں رہے لیکن جب پینل کے دوسرے ارکان اور الیکشن نگراں نے ان پر دباؤ ڈالا اور عمر فاروق کی وصیت یاد دلائی تو ان کو بادلِ ناخواستہ بیعت کرنا پڑی، ان کا خیال تھا کہ عبدالرحمن بن عوف نے جنبہ داری سے کام لیا ہے اور عثمان غنی کو اس لئے خلیفہ بنایا ہے کہ اپنے بعد وہ ان کو خلیفہ نامزد کریں، بعض رپورٹر کہتے ہیں کہ انہوں نے عثمان غنی کے الیکشن کے بعد کہا کہ مجھے دھوکہ دیا گیا ہے اور میرا حق مارا گیا ہے، علی حیدر کے کنبہ سے باہر جن لوگوں کو ان کے خلیفہ نہ ہونے پر سب سے زیادہ طیش آیا وہ صحابی عمار بن یاسرؓ تھے جو یہ صدا لگاتے سنے گئے "لوگو! اسلام کا ماتم کرو، آج "معروف" کا جنازہ اٹھتا ہے اور "منکر" کا بول بالا ہوتا ہے بخدا اگر مجھے رضا کار مل جائیں تو میں عثمان کو خلیفہ بنانے والوں سے جہاد کروں"۔[۲]

خلافت پینل میں شمولیت کی خبر پا کر طلحہ بن عبید اللہ ہر ممکن عجلت کے ساتھ مدینہ روانہ ہوئے لیکن ان کے پہنچنے سے پہلے عثمان غنی چنے جا چکے تھے، وہ روٹھ کر گھر بیٹھ گئے، انہوں نے اپنی غیر موجودگی میں الیکشن کو بے قاعدہ قرار دیا اور مطالبہ کیا کہ الیکشن پھر پھر ہونا چاہیئے تاکہ وہ بھی اس میں حصہ لے سکیں لیکن عمر فاروق کی وصیت سے جب ان کو مطلع کیا گیا اور پھر عبدالرحمن بن عوف اور خود عثمان غنی نے ان کو سمجھایا بجھایا اور

---

۱ شرح نہج البلاغہ ۳۱۱/۲ ۔ ۲ ایضاً ۳۱۱/۲ ۔

منایا تو انہوں نے بیعت کر لی۔

عثمان غنی کے انتخاب سے مدینہ میں پارٹی بندی کا ماحول بڑھ گیا اور جوں جوں دن گذرتے گئے اس میں برابر اضافہ ہوتا رہا، علی حیدر کی پارٹی سب سے زیادہ طاقتور تھی، اس کو کئی بڑے صحابہ کی عملی تائید حاصل تھی، ان میں ابوذرؓ، عمار بن یاسر اور مقدادؓ بن عمرو کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ لوگ ابو بکر صدیقؓ کے انتخاب کے بعد اسی وقت سے علی حیدر کے پُرزور حامی ہو گئے تھے جب بی بی فاطمہؓ کے ساتھ راتوں کو مہاجر و انصار صحابہ سے اپنے استحقاقِ خلافت اور بیعت کی تائید حاصل کرنے جایا کرتے تھے، اِن تینوں کے علاوہ انصار کے کئی درجن افراد نے علی حیدر کی عملاً بیعت بھی کر لی تھی لیکن جیسا کہ پہلے بیان ہوا اس وقت سارے جزیرۂ عرب میں بغاوتوں کے چھڑنے اور ان کو فرد کرنے کی مصروفیتوں اور پریشانیوں میں علی حیدر کی مہم دب گئی تھی، یہ پارٹی عثمان غنی اور ان کے رشتہ داروں کے پبلک اور پرائیویٹ کاموں کی ٹوہ میں رہتی اور ان کی مخالفانہ تشریح و تعبیر کر کے لوگوں میں اشتعال پیدا کرتی، علی حیدر اپنے اس قول کے مطابق عمل کر رہے تھے کہ اگر عثمان غنی کا انتخاب ہوا تو لیرَونی حیث یکرھون[1]، عمار بن یاسر کا عثمان غنی کے انتخاب پر تبصرہ آپ اوپر پڑھ چکے ہیں، وہ اپنے حلقوں میں ان کو کافر کہا کرتے تھے اور اگر ان سے خطاب کرتے تو امیر المومنین کہہ کر نہیں بلکہ ابو عبداللہ کہہ کر، وہ ان کو خلیفہ تسلیم ہی نہ کرتے تھے، ابوذر بھی عثمان غنی اور ان کی حکومت کے مخالف تھے جیسا کہ آپ آگے پڑھیں گے، ان کی مخالفانہ سرگرمیاں اتنی بڑھیں کہ ان کو شام جلاوطن کر دیا گیا، وہاں ان کا حکومت دشمن پروپیگنڈہ اور زیادہ بڑھ گیا تو ان کو مدینہ کے ایک مضافاتی گاؤں بھیج دیا گیا جہاں ۳۲ھ میں ان کا انتقال ہوا۔

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱۰۱/۲۔

طلحہ بن عبید اللہ اور زبیر بن عوام کی پشت پر ان کے اہلِ خاندان اور قبیلوں کے علاوہ کون کون بڑے صحابی تھے ہمیں نہیں معلوم لیکن یہ معلوم ہے کہ ان کی غیر معمولی دولتمندی اور داد و دہش نے بہت سے اہلِ مدینہ بالخصوص انصار کو ان کا حامی اور وفادار بنا لیا تھا، رسول اللہ کی بیوی عائشہؓ بھی عثمان غنی پر خوب لعن طعن کیا کرتی تھیں، ان کی برہمی کے کچھ اسباب خاندانی تھے اور کچھ غیر خاندانی، وہ چاہتی تھیں کہ عثمان غنی ان کے بھائی محمد بن ابی بکر کو کوئی عہدہ دیں لیکن عثمان غنی نے ایسا نہیں کیا، ایک موقع پر محمد بن ابی بکر کے ذمہ کوئی مواخذہ آ پڑا اور انہوں نے چاہا کہ عثمان غنی رعایت کرکے ان کو مواخذہ سے بچا لیں لیکن انہوں نے رعایت نہیں کی اور حقدار کو پورا پورا حق دلوا دیا[۱] یہ بات بھی بی بی عائشہ کو ناگوار گذری عثمان غنی کو بی بی عائشہؓ کی سوت یعنی بی بی خدیجہؓ کی دو لڑکیاں رُقیہؓ اور ام کلثومؓ بیاہی تھیں اور عثمان غنی دونوں کو بڑے آرام سے رکھتے تھے، اس سے بھی عائشہؓ کے دل میں کدورت پیدا ہو گئی تھی، وہ علی حیدر سے بھی کبیدہ خاطر تھیں اور ہرگز نہیں چاہتی تھیں کہ ان کو خلافت ملے۔ ان کی ہمدردیاں طلحہ بن عبید اللہ سے وابستہ تھیں جو ان کے بہنوئی[۲] اور چچا زاد بھائی تھے اور ہر سال پانچ ہزار روپے کا وظیفہ ان کو دیا کرتے تھے[۳] ان کی خواہش تھی کہ طلحہ خلیفہ بنیں اور خلافت کی جڑ خاندان تیم میں مستحکم ہو جائے جس سے ابوبکر صدیقؓ اور طلحہ دونوں کا تعلق تھا، اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے کے لیئے وہ عثمان غنی کے خلاف مہم چلائے ہوئے تھیں۔

طلحہؓ اور زبیر کا چونکہ مدینہ میں علی حیدرؓ کی نسبت نفوذ کم تھا، اس لئے انہوں نے سب سے بڑے عرب مرکزوں بصرہ اور کوفہ میں جہاں ان کی جائدادیں تھیں اور

۱؎ تاریخ الامم ۱۳۰/۵ ـ ۲؎ محبّر ابن حبیب ص۵۵ و انساب الاشراف ۴۲۱/۲ ـ ۳؎ طبقات ابن سعد قسم اول ۱۵۰/۳ ـ

جہاں وہ آتے جاتے رہتے تھے، داد و دہش اور تلقین و ترغیب سے اپنی خلافت کے لئے ماحول پیدا کر لیا تھا۔

انتخابی پینل کے دو سرے دو رکنوں۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور سعدؓ بن ابی وقاص کی جہاں تک ہمیں علم ہے کوئی سیاسی پارٹی نہ تھی، عبدالرحمٰن شوریٰ کے وقت سرسٹھ سال کے ہو چکے تھے، فراغبال اور مطمئن زندگی بسر کر رہے تھے، ان کا بڑا کاروبار تھا جس میں لگے رہتے تھے، اس کے علاوہ جیسا کہ انہوں نے الیکشن کے ایام میں خود اقرار کیا تھا، ان کے دل میں خلافت کی زور دار کشش بھی نہ تھی، وہ محسوس کر رہے تھے کہ عمر فاروقؓ کی بے کیف اور روکھی خلافت کے بعد کسی مالدار، خوش پوش، فراخ دست شخص کی خلافت کامیاب نہ ہو سکے گی، سعد بن ابی وقاص آٹھ سال تک کمانڈری اور گورنری کر چکے تھے اور اس عرصہ میں ان کو کافی تلخ تجربے ہوئے تھے، اس لئے ان کی خواہش اقتدار کسی حد تک مضمحل ہو چکی تھی لیکن سب سے بڑی بات یہ تھی کہ مدینہ اور باہر کا سیاسی ماحول ان کے لئے بالکل سازگار نہ تھا، علی حیدرؓ طلحہؓ اور زبیرؓ تینوں کے مقابلے میں خلافت کے لئے ان کی اہلیت کم تھی، موجودہ ماحول سے وہ اتنے بیزار تھے کہ انہوں نے مدینہ میں رہنا تک پسند نہ کیا اور وہاں سے بارہ تیرہ میل دور عقیق کی کھلی اور بے آزار فضا میں ایک کوٹھی بنوا کر سکونت اختیار کی، انہوں نے مدینہ آنا جانا بالکل بند کر دیا تھا اور جب کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا: "کیا کروں مدینہ جا کر، اب وہاں صرف حاسد رہتے ہیں یا ایسے لوگ جو دوسروں کی مصیبت سے لطف اندوز ہوتے ہیں: ما بقي فيها إلا حاسد نعمة أو فرح بنقمة"[1]۔ انہی سعد سے ایک دوسرے معزز آدمی نے دریافت کیا کہ عثمان غنی کے قتل کی ذمہ داری کس پر ہے تو بولے:

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول ۳/۱۰۷۔

عثمان ایک ایسی تلوار سے قتل ہوئے جس کو عائشہؓ نے نیام سے نکالا، طلحہ نے تیز کیا، علی نے زہر پلایا اور زبیر نے ہاتھ کے اشارہ سے حملہ کرایا[1]

---

[1] العقد الفرید ۳/۸۲ -

عثمان غنیؓ پر اعتراضات اور اُن کا جائزہ

اب ہم ان اعتراضات کا جائزہ لیں گے جو مدینہ اور باہر کی پارٹیوں نے عثمان غنیؓ کے بارہ سالہ دورِ خلافت میں اُن پر لگائے تھے، یہاں یہ بتا دینا مفید ہو گا کہ عثمان غنیؓ کے پیش رو خلیفہ عمر فاروقؓ پر بھی اعتراض ہوئے تھے اور زیادہ انہی لوگوں کی طرف سے جو ان کے خلیفہ بننے سے ناخوش تھے لیکن چونکہ وہ دبنگ آدمی تھے اور چونکہ ان کا کوڑا سخت اور نظر تیکھی تھی کسی کو شورش کرنے یا اعتراضات اچھالنے یا مخالفت کی الاب لگانے کی جرأت نہ ہوتی تھی، دوسری بات یہ تھی کہ انہوں نے ایسی بے رونق اور روکھی زندگی گذاری کہ ان کی خلافت پر حسد اور جلن کو زیادہ فروغ پانے کا موقع نہ ملا، اس کے علاوہ انہوں نے میدانِ خلافت کے سب سے بڑے حریف علی حیدرؓ کی صاحبزادی ام کلثوم سے ۱۷ھ میں عقد کر کے ان کو منا لیا تھا اور ینبع کا نخلستان دے کر ان کا غبارِ خاطر کسی قدر کم کر دیا تھا اور دوسرے دو امیدوارانِ خلافت طلحہؓ اور زبیرؓ کو حجاز میں جاگیریں عطا کر کے ایک حد تک ان کی بھی تالیفِ قلب کر دی تھی۔

۱۔ عثمان غنیؓ پر ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبید اللہ کو تین افراد کے قتل کی سزا نہیں دی جس کے وہ قانوناً مستحق تھے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ مدینہ میں ایرانی نژاد ایک غلام ابو لؤلؤ رہتا تھا، وہ بڑھئی اور لوہار کا کام جانتا تھا، اُس کے مالک طائفی صحابی مغیرہ بن شعبہ اس سے پچاس روپے

---

۵ تاریخ الامم ۴/۱۳۸ -

ماہوار اور بقول بعض دو روپے یومیہ ٹیکس وصول کرتے تھے، ابو لؤلؤ نے کئی بار ٹیکس کم کرنے کی درخواست کی لیکن مغیرہؓ نے اس کو منظور نہیں کیا، ایک دن اس نے عمر فاروقؓ سے زیادتی ٹیکس کی شکایت کی لیکن وہ بھی ہمدردی سے پیش نہ آئے، ابو لؤلؤ کو غصہ آگیا اور اس نے چند دن بعد نماز فجر کے موقع پر بھیس بدل کر عمر فاروق پر دو دھارے خنجر کے کئی وار کئے اور بھاگ گیا، لوگوں نے اس کا تعاقب کیا تو اس نے خنجر سے اپنا گلا کاٹ کر خودکشی کرلی، عمر فاروقؓ حملہ کے بعد تین چار دن زندہ رہے، اس اثناء میں اس بات کی تحقیق کی گئی کہ حملہ کے منصوبہ میں ابو لؤلؤ کے ساتھ کون کون شریک تھا، کوئی قطعی بات تو نہ معلوم ہوسکی البتہ اس شبہ کا قرینہ پیدا ہوا کہ ابو لؤلؤ کے ساتھ جرم میں ہرمزان اور حفینہ بھی شریک تھے، ہرمزان کسروی خاندان کا ایک گورنر تھا جو ۱۷ھ میں مسلمان ہو کر مدینہ میں بس گیا تھا، حفینہ عراق کا ایک عیسائی عرب تھا، وہ بھی مسلمان ہو گیا تھا اور مدینہ کے بچوں کو عربی لکھنا پڑھنا سکھاتا تھا، ابو لؤلؤ ان دونوں سے ملتا جلتا رہتا تھا، ایک شخص نے بیان کیا کہ میں نے ابو لؤلؤ جیسا خنجر ہرمزان اور حفینہ کے ہاتھ میں دیکھا تھا، یہ کوئی قطعی شہادت نہ تھی، عمر فاروقؓ کے صاحبزادے عبیداللہ کے جذبات مشتعل تو تھے ہی، اس رپورٹ کی بناء پر انھوں نے ہرمزان، حفینہ، نیز اس کی چھوٹی لڑکی کو قتل کر ڈالا، بلکہ ان کا ارادہ تو ان سب فارسیوں کو قتل کرنے کا تھا جو مدینہ میں موجود تھے، عبیداللہ کو گرفتار کرلیا گیا، عثمان غنیؓ کے انتخاب کو ابھی گھنٹے ہی گذرے تھے کہ علی حیدرؓ نے آکر مطالبہ کیا کہ عبیداللہ کو قتل کی سزا دی جائے کیونکہ انہوں نے عمداً تین خون کئے ہیں، ایک جلسہ ہوا اور ممتاز مہاجرین و انصار صحابہ کے سامنے یہ معاملہ رکھا گیا، اکثریت کی رائے تھی کہ عبیداللہ کو قتل نہ کیا جائے بلکہ مقتولین کی دیت ادا کردی جائے، لیکن علی حیدرؓ اور ان کی پارٹی کے لوگ قتل پر مصر تھے، مؤیدین دیت کی دلیل تھی کہ چونکہ مقتولین کا کوئی وارث نہیں اس لئے خلیفہ ان کا ولی وارث ہے اور خلیفہ کو اختیار ہے چاہے قاتل کو قتل کردے یا دیت لے لے، یہ دلیل عین

قانونِ اسلام کے مطابق تھی اور عثمان غنیؓ نے اسی کو اختیار کیا، علی حیدرؓ کی دلیل تھی کہ قتل عمر فاروقؓ کے عہد میں ہوا اس لئے وہی مقتولین کے وارث تھے، نیا خلیفہ وارث نہیں ہو سکتا اور نہ ہی دیت لے سکتا ہے، عبید اللہ کو چھوڑ دیا گیا، علی حیدرؓ نے ان کو دیکھا تو غصہ سے کہا "بچہ میرے ہتے چڑھے تو بغیر قتل کئے نہیں رہوں گا"۔ عبید اللہ امیر معاویہ کے پاس شام چلے گئے اور جنگِ صفین (۳۷ھ) میں علی حیدرؓ کے خلاف لڑے۔

۲۔ عثمان غنیؓ پر ایک اعتراض یہ تھا کہ انہوں نے سرکاری روپیہ سے مدینہ میں ایک کوٹھی بنوائی۔ یہ کوٹھی ۳۰ھ میں تعمیر ہوئی، اس کے چار حصے تھے، ایک میں خزانہ، دوسرے میں دفاتر، تیسرا مہمانوں، سفیروں اور وفدوں کے لئے مخصوص تھا، چوتھے میں عثمان غنی خود رہتے تھے، اب سے چودہ پندرہ سال پہلے عمر فاروقؓ کے عہد میں بصرہ اور کوفہ میں جو دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) بنایا گیا تھا اس کا نقشہ بھی کم و بیش یہی تھا، یعنی ایک حصہ میں خزانہ، دوسرے میں دفاتر اور تیسرے میں گورنر کی رہائش کا انتظام تھا، عثمان غنیؓ نے اس کوٹھی کا افتتاح ایک دعوت سے کیا جس میں اکابرِ مدینہ مدعو تھے، کھانا عمدہ اور بڑے پیمانہ پر تھا، حاسدوں اور مخالف پارٹیوں نے دعوت اور کوٹھی دونوں کو پروپیگنڈے کا موضوع بنا لیا، ان کی ہر مجلس اور ہر اجتماع میں کوٹھی کے چرچے اور عثمان غنیؓ پر لعنت ملامت ہونے لگی، سب سے بڑا حملہ یہ تھا کہ انہوں نے کوٹھی سرکاری روپیہ سے بنوائی ہے حالانکہ انہوں نے اپنا ذاتی روپیہ خرچ کیا تھا، ترکِ سنت اور فضول خرچی کے الزام لگائے گئے حالانکہ اس میں نہ کوئی ترکِ سنت تھی نہ فضول خرچی، اہلِ مدینہ کی مالی حالت بہتر ہونے سے شہر میں بہت سے نئے مکان بن گئے تھے اور مالدار صحابہ نے حویلیاں بنوائی تھیں اور یہ سب باتیں عرب مدنیت کے ارتقاء اور خوش حالی کا نتیجہ تھیں، اس لئے خلافت کے سربراہ نے اگر اپنے عملہ، خزانہ اور سرکاری مہمانوں کے لئے ایک باقاعدہ اور خلافت کے شایانِ شان عمارت بنوائی تھی تو اس میں اعتراض نہیں بلکہ اطمینان و مسرت کا موقع تھا اور خاص کر جب کہ

عمارت پر سرکاری روپیہ بھی نہ لگا ہو، عثمان غنیؓ کو اس پروپیگنڈے کا علم ہوا تو انہوں نے نمازِ جمعہ کے بعد ایک تقریر میں کہا:۔

جب کوئی نعمتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے تو اس کے حاسد پیدا ہو جاتے ہیں ... اس عمارت کا مقصد جو میں نے بنوائی ہے خزانہ کو محفوظ کرنا ہے اور باہر کے مہمانوں اور وفدوں کو ٹھہرانا ہے، شہر کے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ میں نے سرکاری روپیے سے اس کو تعمیر کرایا ہے اور مسلمانوں کی بلا اجازت ان کی آمدنی اس پر لگائی ہے، ان کی پارٹیاں سرگوشیاں کرتی اِدھر اُدھر پھرتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ مجھے ان کی حرکتوں کا علم نہیں، یہ لوگ میرے سامنے اعتراض نہیں کرتے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ ان کے اعتراض کا مدلّل اور دنداں شکن جواب دیا جائے گا، ان کو ایسے مچھیاں مل گئے ہیں جو ان کی طرح پروپیگنڈے اور غلط بیانی سے کام لیتے ہیں، خدا ان کو دفع کرے، خدا ان کو ذلیل کرے"

عثمان غنی نے یہ دو شعر پڑھے جن کا اشارہ علی جدرؓ کی طرف ہے:۔

وَقَدْ بنا رأیتما کنت واشتعل   فلست تری مما تعالج شافیا

تشط فیقصی الامر دونک أهله   وشیکا ولا تدعی اذا کنت نائیا

مجھے آپ کی آمدنی اور سرکاری روپیہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ کیا میں قریش کے مالدار ترین لوگوں میں نہیں ہوں اور مان لو کہ میں نے خزانہ کے روپے سے عمارت بنوائی تو کیا خزانہ آپ کی اور میری ضرورت کے لئے نہیں ہے؟ کیا میں آپ کی خدمت نہیں کر رہا ہوں! کیا میں آپ کی ضروریات اور روزی کا کفیل نہیں ہوں اور آپ کے سارے حقوق پوری طرح ادا نہیں کر رہا ہوں؟ پھر کیا مجھے اتنا بھی اختیار نہیں کہ فالتو روپئے سے اپنی مرضی کے مطابق

کوئی کام کر سکوں؛ اگر نہیں ہے تو پھر میں خلیفہ کس بات کا ہوں! سب سے زیادہ حیرت مجھے اس بات پر ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ ہم عثمان کو معزول کر دیں گے، قتل کر دیں گے۔"[1]

مدینہ میں مختلف ملکوں کی عورتیں کنیزوں کے روپ میں آنے لگی تھیں، ان میں اعلیٰ گھرانوں کی خاتونیں بھی تھیں، ان کا تمدن، رہائش، کھانا اور لباس سب عربوں کی سادہ اور بدوی معیشت سے بہت بلند تھا، اس لئے یہ فطری بات تھی کہ وہ اپنے نئے گھروں میں اپنے اعلیٰ معیارِ تمدن و معیشت کو قائم کرنے کی کوشش کریں، ان کی آمد سے عرب گھرانوں کا ماحول اور وضع قطع بدلنے لگی، دوسری طرف صحابہ کے بچے عثمان غنیؓ کے عہد میں جوان ہو چکے تھے اور ان کی ایک خاصی بڑی تعداد جنگوں میں شرکت کے لئے فارس، خراسان، عراق، شام، آرمینیہ، مصر اور شمالی افریقہ کا سفر کر کے وہاں کے تمدنوں سے روشناس ہو گئی تھی اور چونکہ عمر فاروقؓ کے عہد سے وظیفوں اور مالِ غنیمت کی راہ سے گھر بیٹھے خوب روپیہ آ رہا تھا اس لئے یہ باامنگ جوان اپنے کپڑے، کھانے، فرنیچر، مکان سب کو بہتر بنانے کی کوشش کرتے تھے بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہے کہ ان امور میں ایک دوسرے سے بڑھنے کی ان کے درمیان دوڑ رہا کرتی تھی، عمر فاروقؓ اپنی سخت گیری اور احتساب سے یہ رجحانات دبائے ہوئے تھے، عثمان غنیؓ نے نہ تو سختی سے کام لیا نہ احتساب سے، اس لئے ان رجحانات کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا، ان رجحانات کو روکنا کسی فرد کے بس کی بات نہ تھی کیونکہ جب دولت کے ساتھ فرصت کا جوڑ لگتا ہے یا بے محنت روپیہ ہاتھ آتا ہے تو منجملہ اور خرابیوں کے تکلف، شان و شوکت اور ترف کے مظاہر بھی ضرور پیدا ہوتے ہیں۔

۳۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی کی تجدید و توسیع کرائی اور بدعت کے مرتکب ہوئے۔

---

[1] شرح نہج البلاغہ بحوالہ موفقیات قاضی مکہ زبیر بن بکار ۲/۴ ۳۹۔

ہجرت کے بعد یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنوائی تھی، اس کی لمبائی سو ذراع یا لگ بھگ دو سو فٹ تھی، دالان اینٹوں کا تھا، دالان کی چھت کھجور کی ٹہنیوں سے پاٹی گئی تھی اور کھجور کے تنوں پر قائم تھی، ابوبکر صدیق رض کا عہد چونکہ مختصر تھا اور مشکلات سے پُر اس لئے مسجد کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی، عمر فاروق رض کے عہد میں حالات بہتر ہوئے اور سرکاری آمدنی بڑھ گئی تو انہوں نے مسجد کی توسیع و اصلاح کرائی، انہوں نے لمبائی دو سو فٹ سے بڑھا کر دو سو اسی فٹ کردی، مسجد کے آنگن کی بنیادیں پتھر سے چنوا دیں اور قدِ آدم دیوار اٹھوا دی، رسول اللہ ص کے عہد میں مسجد کے صرف تین دروازے تھے، عمر فاروق رض نے مزید تین دروازوں کا اضافہ کیا لیکن مسجد کے دالان، چھت اور فرش بدستور رہے۔

چھت کھجور کی ٹہنیوں سے پٹی تھی اور بارش کے وقت ٹپکا کرتی تھی، بارش نہ ہوتی تو کوڑا کرکٹ اور کیڑے مکوڑے گرا کرتے، مسجد کا فرش کچا تھا، اس لئے خاک اڑتی اور نمازیوں کے کپڑے خراب ہوتے، بارش کے زمانے میں پانی بھر جاتا اور کیچڑ رہتی، شہر میں نئے نئے مکانات اور حویلیاں بنتی جا رہی تھیں، ایک سال پہلے یعنی ۲۸ھ میں عثمان غنی رض نے دارالامارہ (گورنمنٹ ہاؤس) بھی بنوا لیا تھا، نئی عمارت کے مقابلے میں مرکزِ خلافت کی مسجد بدنما منظر پیش کر رہی تھی، اِن سب باتوں کے پیشِ نظر عثمان غنی رض نے مسجد کو پکا کرانے کی تجویز صحابہ کے سامنے پیش کی لیکن انہوں نے عدم تعاون کی روش کے ساتھ تجویز کی مخالفت کی اور مسجد کی اصلاح پر سرکاری روپیہ صرف کرنے کی اجازت نہیں دی، عثمان غنی رض نے مسجد کی توسیع و تجدید پر اپنے پاس سے روپیہ خرچ کرنے کا عزم کر لیا، انہوں نے مسجد کی لمبائی ایک سو چالیس ذراع (دو سو اسی فٹ) سے بڑھا کر ایک سو ساٹھ ذراع (تقریباً تین سو بیس فٹ) اور چوڑائی ایک سو پچاس ذراع یا لگ بھگ تین سو فٹ کر دی، مسجد کا دالان پتھر اور چونے سے بنوایا اور ایک پکی چھت ساگون کی کڑیوں پر ڈلوا دی، چھت کے ستون منقش پتھر کے لگوائے اور فرش بھی پکا کرا دیا، یہ کام ۲۹ھ میں شروع ہوا اور ۳۰ھ میں

دس ماہ بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اس پر دس ہزار روپے (بیس ہزار درہم) خرچ ہوئے[1] چونکہ مخالفت اور عدم تعاون کا ماحول تھا اس لئے اس اچھے کام کو بدعت اور مخالفِ سنت قرار دیا گیا، عمر فاروقؓ کے درے سے چونکہ سب ڈرتے تھے اس لئے جب انہوں نے مسجد میں توسیع و ترمیم کرائی تو کسی کو اعتراض کی جرأت نہ ہوئی۔

۴۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے منیٰ میں دو رکعت کی جگہ چار رکعتیں پڑھیں حالانکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ دو رکعت پڑھا کرتے تھے۔

منیٰ مکہ سے باہر تقریباً سوا چار میل پر ایک میدان ہے جہاں حاجی رمی جمار کے لئے جمع ہوتے ہیں، رسول اللہؐ جب یہاں آتے تو قصر کیا کرتے یعنی چار رکعتی نماز دو رکعت پڑھتے، خلافت کے بعد کئی برس تک عثمان غنیؓ بھی منیٰ میں دو ہی رکعت پڑھتے تھے لیکن ۲۹ھ کے حج کے بعد ان کو معلوم ہوا کہ یمن اور بعض دوسرے علاقوں کے عرب کہتے ہیں کہ مقیم کی نماز دو رکعت ہے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ خلیفہ نے چونکہ مکہ میں شادی کر لی ہے اور اس قرینہ سے چونکہ مکہ ان کے وطن کے حکم میں آ گیا ہے اور خود ان کی حیثیت مقیم کی سی ہو گئی ہے اس لئے ان کا منیٰ میں چار رکعتی نماز کا دو رکعت پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ خلیفہ کے نزدیک مقیم کی نماز چار رکعت کی بجائے دو رکعت ہے، اس لئے دوسرے مسلمانوں کو بھی دو رکعت پڑھنا چاہیئے۔

حج کے لئے دور دور سے عرب آتے تھے، عثمان غنیؓ کو اندیشہ ہوا کہ مقیم کی نماز کے دو رکعت ہونے کا تصور کہیں عرب کے دوسرے شہروں اور قریوں میں نہ پھیل جائے اس لئے انہوں نے منیٰ میں دو کی جگہ چار رکعت پڑھنا شروع کر دیا۔ اعتراض کا جواب خود ان کے الفاظ میں سنئے: إن بعض من حج من أهل اليمن وجفاة الناس قد قالوا في عامنا الماضي إن الصلوة للمقيم ركعتان، هذا إمامكم عثمان يصلي ركعتين

---

[1] تاریخ الامم ۵/۶۰ و فتوح البلدان مصر ص۶۱، و معجم البلدان یاقوت، ۳۱/۷ و انساب الاشراف ۵/۳۸ -

وقد اتخذ بمكة أهلا فرأيت أن أصلي أربعا لخوف ما أخاف على الناس و أخرى قد أتخذت بها زوجة ولي بالطائف مال فربما اطلعته فأقمت فيه بعد الصدر[1]

قصر نماز کی قرآن میں صرف خطرہ کے وقت اجازت دی گئی ہے: فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا الصَّلٰوةَ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ قصر صلاۃ میں کوئی حرج نہیں اگر تم کو اندیشہ ہو کہ دشمن دھوکہ سے تم پر حملہ کر دے گا۔ لیکن رسول اللہ نے عوام کی آسانی کے لئے سفر میں بھی قصر کی اجازت دے دی تھی، یعنی قصر کی حیثیت مباح سے زیادہ نہ تھی، سفر میں رسول اللہ کبھی پوری نماز بھی پڑھ لیتے تھے لیکن منیٰ میں ہمیشہ دو رکعت ہی پڑھا کرتے تھے، مذکورہ بالا خبر کے بعد عثمان غنیؓ کے سامنے دو صورتیں تھیں (۱) سنتِ نبی پر عمل کریں (۲) چہار رکعتی مفروضہ نماز کو دو رکعتی بنانے کا خطرہ مول لیں، انہوں نے پہلی صورت اختیار کی، رہا سنتِ نبی کا ترک تو یہاں یہ بتا دینا مناسب ہے کہ صحابہ مصالحِ عامہ کی خاطر عملِ نبی کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، سند کے طور پر یہاں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے عہد کی دو دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں، ترکِ سنت کی مزید مثالیں آپ کو آگے بھی ملیں گی۔

(۱) رسول اللہ کا عمل اس اصول پر تھا کہ جو شخص زبان سے خدا کی وحدانیت کا اقرار کرے . . . . اس پر تلوار نہیں اٹھائی جا سکتی لیکن ابوبکر صدیقؓ نے ان لوگوں سے بھی جہاد کیا جو زکوٰۃ دینے کے لئے تیار نہ تھے اگرچہ توحید کے قائل تھے اور نماز بھی پڑھتے تھے۔

(۲) رسول اللہ نے شرابی کے لئے کوئی خاص سزا مقرر نہیں کی تھی، گھونسوں سے کبھی چانٹوں سے اور کبھی جوتوں سے اس کی خبر لی جاتی تھی لیکن ابوبکر صدیقؓ نے چالیس

---

[1] تاریخ الامم ۵/۵۶۔

کوڑوں کی سزا مقرر کی۔

(۳) رسول اللہؐ نے ہجر (بحرین) کے ذمیوں۔ مرد، عورت، ... بوڑھوں سب پر فی کس پانچ روپے (ایک دینار) جزیہ لگایا تھا لیکن عمر فاروقؓ نے جزیہ کا ایک بالکل نیا ضابطہ وضع کیا، انہوں نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں، بیماروں اور اپاہجوں کو جزیہ سے مستثنیٰ کر کے صرف جنگ کے قابل بالغ مردوں سے جزیہ وصول کیا، دوسری طرف انہوں نے جزیہ کی تین شرحیں مقرر کیں: مال داروں کے لئے چوبیس روپے سالانہ متوسط حال لوگوں کے لئے بارہ روپے، اور دست کاروں اور ناداروں کے لئے چھ روپے سالانہ۔

(۴) قرآن میں زکاۃ سے مؤلفۃ القلوب کا ایک حصہ مقرر کیا گیا ہے، یہ حصہ رسول اللہؐ برابر دیتے رہے، لیکن عمر فاروقؓ نے اس کو بند کر دیا۔

(۵) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے منیٰ میں شامیانہ لگایا۔ حالانکہ رسول اللہؐ یا عمر فاروقؓ نے ایسا نہیں کیا تھا[1]۔

رسول اللہؐ کے زمانہ میں اسلام جزیرۂ عرب سے باہر نہیں نکلا تھا اس لئے مکہ، مدینہ اور حجاز کا تمدن خالصۃً عربی تھا، اس تمدن کو بنانے میں یہاں کے معاشی، موسمی اور طبعی حالات کو بڑا دخل تھا، عام طور سے لوگ مفلوک الحال اور غریب تھے، ان کے کھانے، پینے اور برتنے کی چیزیں وہی ہوتیں جو اس علاقہ میں سیکڑوں برس سے بنتی چلی آتی تھیں لیکن رسول اللہؐ کے بعد ابو بکر صدیقؓ اور ان کے بعد زیادہ بڑے پیمانہ پر عمر فاروقؓ اور عثمان غنیؓ کے عہد میں جب عرب بیرونی ملکوں میں فاتح کی حیثیت سے گئے اور ان کی مالی حالت بہتر ہو گئی تو انہوں نے شام، عراق اور فارس کے زیادہ نکھرے تمدن کو اپنانا شروع کر دیا، ان کا لباس، کھانا پینا، برتن، فرنیچر، غرض کہ معیشت کے

---

[1] انساب الاشراف ۵/ ۳۹۔

سارے پہلو بدلنے لگے اور اس تبدیلی کو مفتوحہ علاقوں کی عورتوں نے جو غلام بن کر عرب گھروں میں داخل ہوئیں، تیز کر دیا، ان عورتوں کا تمدن چونکہ زیادہ اجلا اور دل کش تھا اس لیے قدرتی طور پر وہ اپنے نئے گھروں میں اس کو رائج کرنے کی کوشش کرتی تھیں عمر فاروقؓ نے نئے تمدن کو روکنے کی کوشش کی لیکن وہ رکا نہیں، اوٹ میں ہو گیا، عثمان غنیؓ کی زندگی شروع ہی سے اُجلی اور پُر آرام تھی، وہ زندہ دل اور خوش ذوق آدمی تھے انہوں نے خلافت کا چارج لیا تو نیا تمدن پردہ سے باہر نکل آیا، ان کے عہد میں ہر زمانہ سے زیادہ روپیہ اور سامان مدینہ آنے لگا، اہلِ مدینہ کو مقررہ وظیفوں کے علاوہ جلد جلد خمس کی مد سے بھی کافی روپیہ ملتا رہتا تھا اور وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ ایک ستھری اور اُجلی زندگی بسر کر سکیں، اس کے علاوہ غنیمت کے روپ میں مختلف انواع واقسام کا سامان، فرنیچر، قالین، کپڑے، برتن اور شاہی نوادرات بھی مدینہ آتے اور لوگ ان سے متعارف ہوتے اور خود بھی ان میں سے بعض چیزیں حاصل کرنے کی کوشش کرتے نئے تمدن کے مظاہر میں شامیانہ بھی تھا جس کو عربی میں فسطاط کہا جاتا ہے، عرب شامیانہ سے واقف تھے لیکن چونکہ مہنگی چیز تھا اس کے استعمال پر قادر نہ تھے، عرب جنرل جب اپنے ملکی حدود سے باہر نکلے اور شام وعراق وغیرہ میں انہوں نے دیکھا کہ دشمن کے کمانڈر اور اکابر شامیانہ استعمال کرتے ہیں تو خود بھی کرنے لگے. فاتح مصر عمرو بن عاص کے مشہور شامیانہ سے شاید ہمارے قارئین واقف ہوں گے، یہی وہ شامیانہ تھا جو مصر کی راجدھانی فسطاط کی بنیاد پڑا۔ رسول اللہؐ یا ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں شامیانہ کا چلن مدینہ میں نہیں ہوا تھا لیکن ۲۰ھ میں بہ عہد عمر فاروقؓ ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ رسول اللہؐ کی بیوی زینب بنت جحش کی قبر پر شامیانہ لگایا گیا تھا تاکہ اہلِ جنازہ دھوپ اور لو سے محفوظ رہیں، اس وقت کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا کہ یہ بدعت ہے حتیٰ کہ عمر فاروقؓ نے جو عجمی تمدن کے مخالف تھے اسی شامیانہ کے نیچے نماز پڑھائی تھی، شامیانہ نے اور زیادہ

پرآسایش تمدن کا مظہر تھا، خیمہ کی نسبت اس میں زیادہ گنجائش اور فراخی بھی تھی، خیمہ کی نسبت اس میں موسمی تکلیفوں سے زیادہ امن رہتا تھا، اسی لیے عثمان غنیؓ نے اس کو منیٰ کے چٹیل میدان میں جہاں گرمی اور لوہ بلا کی ہوتی لگوایا تھا چونکہ مفید اور آرام دہ چیز تھی، مالدار لوگوں نے جلد اس کو اپنا لیا، رسول اللہؐ کی بیوی عائشہؓ جب حج کرنے جاتیں تو حرم کے پاس ان کا بھی ایک شامیانہ لگتا تھا، رسول اللہؐ کا شامیانہ کو استعمال نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ اسلام اس کی اجازت نہ دیتا تھا بلکہ محض اس وجہ سے کہ وہ اور مسلمان اس وقت اتنے خوش حال نہ تھے کہ ایسی گراں چیز کے متحمل ہو سکتے، عمر فاروقؓ کا شامیانہ سے احتراز بھی کسی جذبۂ دینی کا مرہون نہ تھا بلکہ اس کا ایک سبب ان کا طبعی تقشف تھا اور دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ عجمی تمدن کو اپنانے کے خلاف تھے۔

(۶) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے چچا حکم بن عاص کو مدینہ آنے کی اجازت دی حالانکہ رسول اللہؐ نے ان کو طائف جلاوطن کر دیا تھا۔[1]

حکم بن عاص قریش کے اکابر میں سے تھے، ایک بے ہودگی پر رسول اللہؐ نے اُن کو مدینہ میں رہنے کی ممانعت کر دی تھی اور طائف جلاوطن کر دیا تھا، فتح مکہ کے بعد ۸ھ کا یہ واقعہ ہے جب حکم نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، اُس وقت نہ تو ان کو اسلام سے قلبی لگاؤ تھا اور نہ رسول اللہ کا جیسا چاہیے احترام کرتے تھے، بعد میں مخلص مسلمان ہو گئے تھے، کافی بڑا کنبہ تھا، اُن کا کچھ خاندان مکہ اور مدینہ میں تھا اور کچھ ان کے ساتھ طائف میں، دو تین جگہ خاندان بٹ جانے سے بہت سی دقتیں اور مسائل پیدا ہو گئے تھے، ان دقتوں کو دیکھ کر عثمان غنیؓ نے رسول اللہؐ سے درخواست کی کہ حکم کو مدینہ آنے کی اجازت دے دیں لیکن انہوں نے کہا: سردست حکم کی واپسی مناسب نہیں، کچھ عرصہ بعد عثمان غنیؓ نے پھر درخواست کی تو رسول اللہؐ نے واپسی کی اجازت

---

[1] تاریخ الامم ۵/۱۰۲۔

دینے کا وعدہ کرلیا، ابھی یہ وعدہ پورا نہ ہوا تھا کہ رسول اللہؐ کا انتقال ہوگیا، ابوبکرؓ صدیق خلیفہ ہوئے تو عثمان غنیؓ نے ان سے حکم کی واپسی کی سفارش کی اور رسول اللہؐ کے اس وعدہ کا ذکر کیا جو انہوں نے حکم کے بارے میں کیا تھا، ابوبکر صدیقؓ رسول اللہؐ کی طرف منسوب کسی صحابی کا قول اس وقت تک نہ مانتے جب تک دوسرا صحابی اس کی توثیق نہ کردیتا اور عثمان غنیؓ چونکہ دوسرا شاہد فراہم نہ کرسکے اس لیے ان کی درخواست پوری نہ ہوسکی، عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تو عثمان غنیؓ نے حکم کی واپسی کی ان سے اجازت مانگی، اور کہا کہ رسول اللہؐ نے مجھ سے اجازت دینے کا وعدہ کرلیا تھا، عمر فاروقؓ بھی رسول اللہؐ کی طرف منسوب کوئی بات اسی وقت مانتے جب دوسرا صحابی اس کی گواہی دے دیتا اور چونکہ عثمان غنیؓ دوسرا گواہ پیش نہ کرسکے ان کی خواہش پوری نہ ہوئی، ۲۴ھ میں عثمان غنیؓ کے انتخاب کے وقت حکم کو وطن اور عزیزوں سے چھوٹے پندرہ سال ہو چکے تھے اور وہ نیز ان کے کنبہ کے لوگ بہت پریشان تھے، عثمان غنیؓ نے ان کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی یہ ایک معمولی واقعہ تھا لیکن مخالفوں نے اس کو پروپیگنڈے کا موضوع بنالیا اور ایک بڑا جرم قرار دے کر اس کے چرچے کرنے لگے، عثمان غنیؓ کا یہ فعل کسی اعتبار سے ملامت کے قابل نہیں تھا، انہوں نے ایک ایسے خاندان کا دکھ دور کیا تھا جو سولہ سال سے بے خانماں اور پریشان حال تھا، رسول اللہؐ اگر جلاوطنی ختم کرنے کا وعدہ نہ بھی کرلیتے تب بھی عثمان غنیؓ کا یہ اقدام درست ہوتا کیونکہ وہ حاکم تھے اور حاکم کو خطا کاروں کو معاف کرنے کا اختیار ہے، اس کے علاوہ حکم کی بے ہودگی یا گستاخی کوئی ایسا جرم بھی نہیں تھی کہ اس کے لئے ان کو ساری عمر وطن اور عزیزوں سے محروم رکھا جاتا۔

(۷) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے حکم کی نماز جنازہ پڑھائی اور ان کی قبر پر شامیانہ لگایا۔[1]

---

[1] انساب الاشراف ۵/۲۶۔

حکم کا ۳۲ھ میں یا اس کے لگ بھگ انتقال ہوا. جس طرح رسول اللہ ﷺ اپنے چچا عباسؓ اور حمزہؓ کا احترام کرتے تھے ٹھیک اسی طرح عثمان غنیؓ بھی اپنے چچا حکم کی عزت کرتے تھے عثمان غنیؓ کے والد کا بچپن میں انتقال ہو گیا تھا اور ان کے بعد حکم ہی عثمان غنیؓ اور ان کی بہن کے باپ تھے، حکم نے اپنی شفقتِ خاص، پیار اور خیال سے عثمان غنیؓ کے دل میں اور زیادہ گھر کر لیا تھا، اس متبادل رشتۂ محبت کی وجہ سے عثمان غنیؓ بھی حکم اور ان کی اولاد کا خاص خیال رکھتے تھے چنانچہ وہ حکم کے لڑکوں کو اپنے کاروبار میں لگائے رہتے تھے اور شادی بیاہ نیز دوسری تقریبوں پر ان کو تحفے اور عطیے دیا کرتے تھے، عثمان غنیؓ کے حریف ان باتوں سے جلتے تھے اور مخالف پارٹیاں ان کی داد و دہش اور التفاتِ خاص کو توڑ مروڑ کر اور حاشیے چڑھا کر مدینہ اور دوسرے صدر مقاموں میں پیش کیا کرتی تھیں، مقصد عثمان غنیؓ کے خلاف اشتعال پیدا کرنا اور انقلاب کے لیے زمین ہموار کرنا تھا، وہ عثمان غنیؓ ہی سے نہیں، ان کے چچا زاد بہن بھائیوں سے بھی جلتے تھے اور حکم اور حکم کی اولاد کو گھروا، کے حقارت آمیز الفاظ سے یاد کیا کرتے تھے، ان کی خواہش تھی کہ حکم اور ان کا خاندان ہمیشہ کے لئے معتوب اور مغضوب رہیں، انہوں نے اس معمولی سی بات تک کو پروپیگنڈے کا آلہ بنا لیا کہ عثمان غنیؓ نے حکم کے جنازہ کی نماز پڑھائی اور ان کی قبر پر شامیانہ لگایا۔

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن سلول جیسے منافق تک کی نمازِ جنازہ پڑھائی تھی حالانکہ وہ اکثر ان کی رائے سے اختلاف کرتا تھا اور وہ اور اس کے پیرو ہمیشہ عدم تعاون سے کام لیتے تھے، شامیانہ لگانے سے حکم کا کوئی اعزاز مقصود نہ تھا اور اگر ہوتا تب بھی اعتراض کا موقع نہ تھا کیونکہ حکم ایک معزز قریشی تھے، شامیانہ ضرورتاً لگایا گیا تھا، موسم سخت گرم تھا اہل جنازہ اور نمازیوں کو دھوپ سے بچانے کے لیے شامیانہ ایک معقول تدبیر تھا، ۲۰ھ میں جب رسول اللہ کی بیوی زینب بنت جحشؓ کا انتقال ہوا تھا تو اس وقت بھی ان کی قبر پر دھوپ اور گرمی سے بچاؤ کے لئے شامیانہ نصب کیا گیا تھا اور یہ شامیانہ خلیفۂ وقت عمر فاروقؓ کے حکم

لگا تھا۔ وکان دفن زینب بنت ... جحش فی یوم صائف فضرب عمر علی قبرھا فسطاطا[1]۔ اس سے یہ بھی واضح ہوجاتا ہے کہ شامیانہ لگانا اگر کوئی بدعت تھا تو اس کے مرتکب عثمان غنیؓ نہیں عمر فاروقؓ تھے لیکن ان پر کوئی اعتراض نہیں ہوا اور نہ کسی کو اعتراض کی جرأت ہوسکتی تھی۔

حکم کی بے تمیزی کوئی ایسا جرم نہ تھا کہ عثمان غنیؓ اس کی وجہ سے خونی رشتہ فراموش کردیتے یا حکم کا جو بجائے باپ کے تھے احترام کرنا چھوڑ دیتے یا اس تکلیف کا بے حسی سے جواب دیتے جس سے غریب الوطنی میں حکم دوچار تھے، قارئین کو شاید معلوم ہو کہ رسول اللہؐ کے چچا حمزہؓ نے ہجرت کے بعد شراب پی اور نشہ کی حالت میں رسول اللہ کو دیکھ کر ان کے حق میں ناملائم باتیں کیں لیکن رسول اللہؐ نے نہ تو ان کو ڈانٹا، نہ جلاوطن کیا اور نہ ان کی عزت وحرمت میں مطلقاً کمی کی۔

(۸) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کی حالانکہ رسول اللہؐ نے ایسا نہیں کیا تھا[2]۔

رسول اللہؐ نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ کردیا تھا، یہ ایک رعایت تھی جو انہوں نے ضرورۃً دی تھی، گھوڑے بہت مہنگے تھے، متوسط درجہ کی ایک راس کئی ہزار روپے میں آتی تھی، جہاد اور اشاعتِ اسلام کے لئے گھوڑے تھے ضروری لیکن ان کا خریدنا اور ان کی خوراک کا انتظام دشوار تھا، اس لئے رسول اللہؐ نے گھوڑا رکھنے کے بار کو ہلکا کرنے کے لئے گھوڑے پر زکوٰۃ معاف کردی تھی، قانون ومالیاتِ اسلام کے اولین مؤلف یحییٰ بن آدم قرشی مؤلف کتاب الخراج، قاضی ابو یوسف مؤلف کتاب الخراج، ابو عُبید قاسم بن سلاّم مؤلف کتاب الاموال، امام شافعی مؤلف کتاب الاُم، امام مالکؒ مؤلف الموطأ میں سے کسی نے اس بات کی توثیق نہیں کی کہ عثمان غنیؓ نے گھوڑوں کی زکوٰۃ وصول کی،

---

[1] انساب الاشراف، ۱/۳۳۶۔ [2] انساب الاشراف، ۵/۲۶۔

اس سلسلہ میں ایک رپورٹ یہ ضرور ملتی ہے کہ شام کے بعض مسلمانوں نے عمر فاروقؓ سے گھوڑوں کی زکوٰۃ دینے کی خواہش ظاہر کی تھی جس کو انہوں نے مسترد کر دیا تھا لیکن جب بار بار انہوں نے زکوٰۃ دینے پر اصرار کیا تو ان کو اجازت دے دی گئی تھی۔ إن أهل الشام قالوا لأبي عبيدة بن الجراح: خذ من خيلنا ورقيقنا صدقة فأبى، ثم كتب إلى عمر فأبى فكلموه أيضاً فأبى، فكتب اليه عمر: إن أحبوا فخذها منهم وارددها على فقرائهم ورقيقهم[1] اس باب میں عثمان غنیؓ کی کسی نئی قانون سازی کا کہیں ذکر نہیں، اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے گھوڑوں پر زکوٰۃ لگائی تھی تب بھی ان سے کوئی مواخذہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کے عہد میں حالات بدل گئے تھے، مسلمانوں کی مالی حالت بہتر ہو گئی تھی، میدانِ جنگ کے علاوہ سواری کے لئے بھی گھوڑوں کی مانگ روز بروز بڑھتی جا رہی تھی، اس لئے بڑے پیمانہ پر تجارت کے لئے گھوڑے پالے جانے لگے تھے، تجارت کے سامان پر قانوناً زکوٰۃ تھی اور چونکہ گھوڑے سامانِ تجارت بن گئے تھے اس لئے اگر بالفرض عثمان غنیؓ نے ان پر زکوٰۃ لگا دی تو اس پر اعتراض کا کیا موقع تھا۔

۹۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے چراگاہوں اور تالابوں کو سرکاری گھوڑوں اور اونٹوں کے لئے محفوظ کر لیا اور عوام کو وہاں چرانے اور پانی پلانے کی ممانعت کر دی[2] یہ اعتراض بالکل بیجا ہے کیونکہ چراگاہیں محفوظ کرنے کا عمل رسول اللہؐ کے زمانہ سے برابر ہوتا چلا آیا تھا، سب سے پہلے رسول اللہؐ نے جہاد کے گھوڑوں کے لئے نَقیع کی چراگاہ محفوظ کی تھی، یہ مدینہ کے اسّی میل مشرق میں ایک سرسبز وادی تھی، عام لوگوں کو اس میں چرانے یا پانی پلانے کی اجازت نہ تھی[3] عمر فاروقؓ نے نقیع کے علاوہ دو اور چراگاہیں مدینہ کے مضافات میں بنائی تھیں: ایک رَبَذہ اور دوسری سَرِف[4] نقیع اور

---

[1] کتاب الاموال، ابو عبید قاسم بن سلام مصر ص۴۹۵ و سنن کبریٰ ۴/۱۱۸ و حضرت عمرؓ کے سرکاری خطوط از خورشید احمد فارق ندوۃ المصنفین دہلی ۱۹۵۹ء ص۸۲ [2] انساب الاشراف ۵/۳۸ [3] فتوح البلدان ص۱۵ [4] معجم البلدان ۵/۴۱۔

سَرِف میں گھوڑے رکھے جاتے تھے اور رَبَذہ میں زکوٰۃ کے اونٹ عمر فاروقؓ کے زمانہ میں بڑے پیمانہ پر کئی ملکوں میں فوجی اقدامات ہو رہے تھے اور سپاہیوں کے لئے گھوڑوں کی اور بار برداری کے لئے اونٹوں کی اشد ضرورت تھی، اس لئے بڑی تعداد میں گھوڑے اور اونٹ فراہم کئے جاتے تھے اور ان چراگاہوں میں رکھے جاتے تھے، عام لوگوں کو یہاں چرانے کی ممانعت تھی، اس پر عمر فاروقؓ سے احتجاج بھی کیا گیا لیکن انہوں نے سرکاری ضرورت کا عذر پیش کر کے معترضین کی زبان بند کر دی۔ عثمان غنیؓ کے عہد میں یہی چراگاہیں تھیں، انہوں نے کسی نئی چراگاہ کا اضافہ نہیں کیا۔

مخالفوں نے مذکورہ بالا اعتراض ایک دوسرے انداز سے بھی پیش کیا ہے، قاضی واقدی کی زبانی سنئے: عثمانؓ نے رَبَذہ، شرف (صحیح سَرِف) اور بقیع (صحیح نقیع) کو حمی بنا لیا تھا، ان چراگاہوں میں نہ تو ان کا کوئی جانور چرتا نہ بنو امیہ کا لیکن اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں انہوں نے شرف (سَرِف) کو اپنے اونٹوں کے لئے جن کی تعداد ایک ہزار تھی اور حَکَم کے اونٹوں کے لئے محفوظ کر لیا، رَبَذہ میں وہ زکوٰۃ کے سرکاری اونٹ رکھتے اور بقیع (نقیع) میں سرکاری گھوڑوں کے ساتھ وہ اپنے اور بنو امیہ کے گھوڑے بھی چراتے تھے[۱]

طبقات ابن سعد کی ایک رپورٹ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ چراگاہیں چاہے عوام کے لئے بند ہوں غیر اُموی اکابر قریش کے لئے کھلی ہوئی تھیں، عبدالرحمٰن بن عوف کا ۳۲ھ میں انتقال ہوا، ان کے پاس ہزار اونٹ، تین ہزار بکریاں اور سو گھوڑے تھے، یہ جانور کہاں چرتے تھے؟ نقیع میں: ترک ابن عوف ألف بعیر وثلاث آلاف شاۃ بالنقیع ومائۃ فرس ترعی بالنقیع[۲] اس رپورٹ سے یہ دوسرا اعتراض بھی دور ہو جاتا ہے کہ سرکاری گھوڑوں کے علاوہ نقیع صرف عثمان غنیؓ اور بنو امیہ کے جانوروں

---

[۱] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۵۔ [۲] طبقات ابن سعد لائڈن ایڈیشن قسم اول ۳/۹۶

کے لئے مخصوص تھا۔

یہ تو ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ پہلی چراگاہ نقیع خود رسول اللہ صلعم نے محفوظ کی تھی پھر عمر فاروق نے بڑھتی ہوئی ضرورت کے ماتحت دو اور بڑی چراگاہیں سرکاری جانوروں کے لئے محفوظ کرلیں، لہٰذا اس حد تک عثمان غنی سے مواخذہ درست نہیں۔ رہا آخری ایام خلافت میں ان کا شرف اور نقیع کو خالصتہً اپنے جانوروں کے لئے محفوظ کرنا تو یہ بھی غلط بیانی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ سرکاری جانوروں کے ساتھ وہ اپنے جانور بھی ان چراگاہوں میں رکھنے لگے تھے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ شرف اور نقیع میں سرکاری گھوڑے کم ہو گئے تھے پچھلی جنگوں اور بالخصوص شمالی افریقہ کی لڑائی میں انہوں نے لگ بھگ دس ہزار گھوڑے باہر بھیجے تھے، ان کے آخری ایام میں لڑائیاں تقریباً ختم ہو چکی تھیں، فارس اور افریقہ دونوں پر عرب تسلط مکمل ہو چکا تھا اور چونکہ حکومت کے سامنے عسکری تقاضے نہیں تھے اس لئے گھوڑے فراہم کرنے کی مہم سست پڑ گئی تھی اور چراگاہوں میں غیر سرکاری جانوروں کے لئے گنجائش نکل آئی تھی۔

۱۰۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے خلافت کے ساتویں سال اپنی کوٹھی (دارالامارہ) پر نماز کے لئے نداۓ ثالث لگوائی اور بدعت کے مرتکب ہوئے۔[۱]

یہ اعتراض بھی محض اعتراض ہے معترضین خوب جانتے تھے کہ اس میں کتنا وزن ہے لیکن چونکہ اس سے عثمان غنیؓ کو بدنام کرنے، ان کو بدعتی مشہور کرنے اور ان کے خلاف اشتعال پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی اس لئے اس کا خوب چرچا کیا حتیٰ کہ ہمیشہ کے لئے تاریخ کے صفحات پر یہ اعتراض ثبت ہو گیا نداۓ ثالث سے مراد تیسری اذان ہے، یہ اذان صرف نماز جمعہ کے لئے مخصوص تھی، رسول اللہ صلعم اور شیخین کے زمانہ میں مدینہ کی آبادی نہ تو زیادہ تھی نہ گھری ہوئی، دوسری نمازوں کی طرح

---

[۱] انساب الاشراف ۵/۳۹۔

جمعہ کی نماز کے لئے بھی اقامت کے علاوہ ایک بار اذان ہوتی تھی اور یہ اس وقت جب رسول اللہ ؐ یا شیخین گھر سے مسجد کے لئے نکلتے تھے، عثمان غنیؓ کے زمانہ میں شہر کی آبادی بہت بڑھ گئی تھی اور بہت سی حویلیاں مسجد سے دور کھلے میدانوں میں بن گئی تھیں جمعہ کے ازدحام اور شور میں شہر کے کئی حصوں میں اذان کی آواز نہیں جاتی تھی اور بہت سے لوگ یا تو مسجد میں دیر سے پہنچتے یا نماز ہونے کے بعد، اس وقت کو دور کرنے کے لئے عثمان غنیؓ نے موذن کو ہدایت کردی کہ نماز جمعہ سے پہلے زوراء کی چھت[1] سے اذان دے دیا کرے تاکہ دور و نزدیک کے مسلمانوں کو نماز کی قربت کا علم ہوجائے اور وہ بروقت مسجد میں پہنچ جائیں، مخالف پارٹیوں نے اس مفید اقدام کو پروپیگنڈے کے لئے استعمال کیا اور اس کو بدعت کا نام دے کر اچھالنے لگے، عثمان غنیؓ کی نرمی اور صلح پسندی اس جرأت کی ذمہ دار تھی، عمر فاروقؓ نے رسول اللہ ؐ کی تیار کردہ مسجد میں اضافہ کیا تو کسی نے شور نہیں مچایا کہ یہ بدعت ہے، رسول اللہ ؐ نے مسجد میں تین دروازے رکھے تھے عمر فاروقؓ نے چھ کردیئے تب بھی کسی نے ان کے اس فعل کو بدعت قرار نہیں دیا، عمر فاروقؓ نے وہ درخت کٹوا دیا جس کے سایہ میں بیعت الرضوان[2] لی گئی تھی کیونکہ لوگ اس کے نیچے نماز پڑھنا باعث ثواب سمجھنے لگے تھے، اس وقت بھی کسی کو اعتراض کرنے کی ہمت نہ ہوئی، رسول اللہ ؐ نے ایک چراگاہ محفوظ کی تھی، عمر فاروقؓ نے تین کرلیں تب بھی مخالف خاموش رہے، انہوں نے ۱۴ھ میں تراویح کی بیس رکعتیں مسلمانوں پر لازم کردیں حالانکہ رسول اللہ ؐ نے ایسا نہیں کیا تھا، اب بھی کسی نے بدعت کا نعرہ نہیں لگایا، رسول اللہ ؐ نے مدنی آیتوں کے بموجب مفتوحہ اراضی فوج میں بانٹ دی تھی لیکن عمر فاروقؓ نے بانٹنے سے انکار کر دیا اور اراضی مالکوں کے قبضے میں رہنے دی اور ان سے مالگذاری اور جزیہ وصول کیا، اس پر بھی مخالفوں کی زبانِ طعن بند رہی، کیوں؟

---

[1] سنن کبریٰ ۳/۱۹۲ - [2] شرح نہج البلاغہ ۳/۱۲۲ -

اس لئے کہ عمر فاروقؓ سخت آدمی تھے، زبان اور ڈنڈے دونوں سے سزا دیتے تھے اور دوسری طرف ان کی روکھی زندگی حسد اور جلن کی آگ دہلائے ہوئے تھی۔

۱۱۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے کئی ممتاز صحابہ کو معزول کیا۔ سعد بن ابی وقاص کو کوفے سے، عمرو بن عاص کو مصر سے اور ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے اور ان کی جگہ اپنے نومسلم اور نو عمر رشتہ داروں کو گورنر مقرر کیا۔

آیئے اس اعتراض کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہاں تک اس میں صداقت ہے ۲۴ھ میں خلیفہ ہو کر عثمان غنیؓ نے صحابی مُغیرہ بن شعبہ کو رشوت کی شکایت پر کوفہ کی گورنری سے الگ کر دیا تھا اور ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کو مقرر کیا تھا جن کے لئے عمر فاروقؓ نے مرتے وقت سفارش کی تھی، خزانۂ کوفہ کے انچارج صحابی عبداللہ بن مسعود تھے، سعد نے خزانہ سے کچھ رقم قرض لی اور ایک وقتِ مقررہ پر اس کو لوٹانے کا وعدہ کر لیا، جب مقررہ وقت آیا تو عبداللہ بن مسعودؓ نے رقم مانگی لیکن سعد بن ابی وقاص نے کہا کہ مجھے اور مہلت دیجئے، میں اس وقت ادا کرنے سے قاصر ہوں، ابن مسعود بگڑ گئے اور دونوں میں سخت کلامی ہوئی، عبداللہ بن مسعودؓ کے حامیوں نے ان کا پارٹ لیا اور سعد بن ابی وقاص کے حامیوں نے ان کی وکالت کی، چند دن بعد ابن مسعود نے پھر سعد سے روپئے کی واپسی کا تقاضہ کیا تو سعد نے برہم ہو کر کہا: "تم نقصان اٹھائے بغیر نہیں مانو گے، تم سمجھتے کیا ہو خود کو، واضح رہے کہ تمہاری حقیقت ہُذیل کے ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔" دونوں میں پھر تخ تخ ہوئی، عثمان غنیؓ کو ان باتوں کا علم ہوا تو وہ دونوں پر ناراض ہوئے اور سعد بن ابی وقاص کو معزول کر دیا لیکن عبداللہ بن مسعودؓ بحال رہے۔

عمرو بن عاص نے جن کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا، ۲۰ھ میں جب عمر فاروقؓ خلیفہ تھے، مصر فتح کیا تھا، چونکہ انہوں نے پہلے کی نسبت مالگذاری بہت کم وصول کی، اس لئے

عمر فاروقؓ کو ان کی دیانت پر شک ہوا اور انہوں نے ۲۳ھ میں ایک ممتاز اموی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو جو عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی بھی تھے، مالیاتِ مصر کا وزیر مقرر کردیا اور عمرو بن عاص کی گورنری سیاسی وعسکری معاملات تک محدود کردی، فطری طور پر عمرو کو مالیات کا الگ ہونا شاق گذرا، کچھ عرصہ بعد عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو عمرو نے عثمان غنیؓ سے کہا کہ مالیات کا چارج مجھے دیجئے ورنہ میں مستعفی ہوتا ہوں، یہ نہیں ہوسکتا کہ گائے کا دودھ دوہے کوئی دوسرا اور سینگ پکڑوں میں! چونکہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرحؓ کا ریکارڈ اچھا تھا اور وہ زیادہ لگان وصول کر رہے تھے، عثمان غنیؓ نے مالیات کا چارج دینے سے انکار کردیا، عمرو بن عاص احتجاجاً مستعفی ہو گئے۔

ابوموسیٰ اشعری ۱۷ھ سے بصرہ کے گورنر تھے، عثمان غنیؓ محرم ۲۴ھ میں خلیفہ ہوئے تو انہوں نے ابوموسیٰ کو بحال رکھا اور وہ مزید چار پانچ سال اپنے عہدہ پر فائز رہے، ۲۹ھ میں اکابر بصرہ کا ایک وفد مدینہ آیا اور شکایت کی کہ ابوموسیٰ بوڑھے اور کمزور ہوگئے ہیں، کنبہ پرور اور قبیلہ نواز بھی واقع ہوئے ہیں، ہم ان کی طویل حکومت سے اکتا گئے ہیں، براہ کرم کسی جوان کو ہمارا گورنر بنایئے"! شکایت کی تفصیل طبری میں موجود ہے اور ہم نے خط رقم ۱۲ میں اس کے اہم محتویات بیان کر دیئے ہیں، اس لئے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی، عثمان غنی نے وفد کی خواہش پوری کی اور ابوموسیٰ اشعری کو برطرف کردیا، ان کا یہ فعل عمر فاروقؓ کے عمل کے عین مطابق تھا، آپ کو شاید یاد ہوگا کہ ۲۱ھ میں اکابر کوفہ کی شکایت پر پہلے انہوں نے سعد بن ابی وقاصؓ اور پھر ۲۲ھ میں عمار بن یاسر کو گورنری سے معزول کر دیا تھا۔

ان بیانات سے آپ نے دیکھا کہ حقائق کیا تھے اور مخالفوں نے ان کو کس رنگ میں پیش کیا، اعتراض سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے بلاوجہ تینوں صحابی گورنروں کو برطرف کیا تاکہ اپنے رشتہ داروں کے لئے جگہ نکالیں حالانکہ سعدؓ کو الگ اس لئے کیا

کہ ان کا طرزِ عمل نامناسب تھا اور نگرانِ خزانہ کے ساتھ ان کے بار بار کے جھگڑے سے کوفہ کی فضا خراب ہو رہی تھی، عمرو بن عاص نے خود ناراض ہو کر استعفا دیا اور ابو موسیٰ کی برطرفی کی تحریک اکابر بصرہ نے کی تھی۔

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ عثمان غنیؓ نے رشتہ داروں کو گورنر بنایا صحیح ہے لیکن مخالفوں کا یہ کہنا کہ ایسا کرنے میں محض کنبہ پروری کا جذبہ کارفرما تھا صحیح نہیں، ولید بن عقبہ جن کو سعدؓ کے بعد کوفہ کا گورنر بنایا گیا عثمان غنیؓ کے سوتیلے بھائی تھے لیکن ساتھ ہی وہ تجربہ کار، معاملہ فہم اور بیدار ذہن بھی تھے، ان کی یہ صفات دیکھ کر رسول اللہؐ نے ۹ھ میں ان کو بعض عرب قبیلوں میں کلکٹر زکوٰۃ مقرر کیا تھا، انہوں نے امانت و دیانت سے کام لیا اس لئے ابو بکر صدیقؓ نے بھی ان کو سرکاری عہدوں پر فائز رکھا، ان کے بعد عمر فاروقؓ نے ولید کو میسوپوٹامیہ کے عرب قبیلوں میں زکوٰۃ کلکٹر اور پولیٹکل ایجنٹ بنا کر بھیجا، ۲۵ھ یا ۲۶ھ میں سعد بن ابی وقاص کو امارت کوفہ سے الگ کیا گیا تو ولید بیکار نہ تھے بلکہ اپنے عہدہ کے فرائض خوش اسلوبی سے انجام دے رہے تھے، چونکہ انتظامی معاملات کا ولید کو لمبا تجربہ تھا اور چونکہ کوفہ میں عثمان غنیؓ کے خلاف تحریک چلی ہوئی تھی اور وہ چاہتے تھے کہ گورنر لائق ہی نہیں، مخلص اور معتمد بھی ہو، اس لئے انہوں نے ولید کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، ولید کے بارے میں کوفہ اسکول تاریخ کے شیخ سیف بن عمرؓ کی رائے ملاحظہ ہو: قدم الکوفۃ سنۃ ۲۵ھ فکان احب الناس و أرفقھم فکان بذالک خمس سنین ولیس علی بابہ دار[1] ولید نے ۲۵ھ میں حکومت کوفہ کا چارج لیا، بڑے مہربان اور مقبول تھے، مکان پر کوئی گیٹ نہ تھا (ہر شخص کو ملنے کی آزادی تھی) اسپین کے محدث ابن عبد البر: کان من رجال قریش ظرفا و حلما و شجاعۃ و أدبا وکان من الشعراء المطبوعین[2] باعتبار ذہانت، سلیقہ، حلم، بہادری اور شائستگی قریش کے اکابر

---

[a] وفات لگ بھگ ۶۰ھ میں ہوئی۔ [1] تاریخ ۱۵م ۵/۵۹ - [2] استیعاب ۲/۶۰۳ -

میں تھے، اس پر مستزاد شعر کی خداداد صلاحیت تھی۔

ولید بن عُقبہ ۹ھ سے ۳۰ھ تک سرکاری عہدوں پر رہے، سول اور ملٹری دونوں لیکن نہ تو رسول اللہؐ کے عہد میں ان پر کوئی الزام لگا، نہ ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں اور نہ عمر فاروقؓ کی احتسابی نظر ان میں کوئی خامی پا سکی، یہ بیس اکیس برس کی بے داغ خدمت اس بات کی شاہد ہے کہ ولید لائق، فرض شناس اور صالح آدمی تھے، عثمان غنیؓ کے دورِ خلافت میں ان پر جو الزام لگے وہ ان کی نااہلی یا بدکرداری کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اس وجہ سے کہ مدینہ اور فسطاط کی طرح کوفہ بھی مخالف پارٹیوں کا مرکز تھا جو عثمان غنی اور ان کی حکومت کو مطعون کر کے انقلاب برپا کرنا چاہتی تھیں۔

مصر میں عمرو بن عاص کے الگ ہونے پر عثمان غنیؓ نے مصر کے وزیر مالیات عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو مصر کی گورنری سونپ دی، یہ عبداللہ عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے، پڑھے لکھے، تیز اور باشعور آدمی تھے، اسی لیے ۲۳ھ میں عمر فاروقؓ نے ان کو مالیات مصر کا عہدہ تفویض کیا تھا، واقعات نے بھی عبداللہ بن سعد کی لیاقت اور خوش تدبیری پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی، چند ماہ کے اندر اندر انھوں نے مصری مالگذاری کی مقدار اس سے کافی بڑھا دی جتنی عمرو بن عاص نے وصول کی تھی، سال چھ ماہ بعد عمر فاروقؓ کا انتقال ہونے پر عثمان غنیؓ نے خلافت کا چارج لیا تو عبداللہ بن سعدؓ اپنے عہدہ پر موجود تھے اور اچھا کام کر رہے تھے، عمرو بن عاص نے عثمان غنیؓ سے درخواست کی کہ مالیات کا شعبہ مجھے دے دیجیے تو انہوں نے کہا: تمہارے انتظام میں مالگذاری کم تھی، عبداللہ زیادہ وصول کر رہے ہیں، ان کے خلاف کوئی شکایت بھی نہیں، اس لئے ان کو کیوں الگ کیا جائے، عمرو بگڑ گئے اور احتجاجاً استعفا دے دیا، عثمان غنیؓ نے مناسب سمجھا کہ مصر کی گورنری عبداللہ بن سعد کو سونپ دیں کیونکہ وہ مصر کے حالات و معاملات سے اچھی طرح متعارف ہو چکے تھے، عبداللہ نے گورنر ہو کر گارہائے نمایاں

انجام دیئے، مالیات کی اصلاح کے ساتھ انہوں نے لیبیا، تونس اور الجزائر تک اسلامی قلمرو کا دائرہ وسیع کر دیا۔ کتاب الولاۃ والقضاۃ کا مؤلف کندی ان کے بارے میں لکھتا ہے:

ومکث عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح أمیراً علی مصر ولایۃ عثمان کلہا محموداً فی ولایتہ وغزا ثلاث غزوات کلہا لہا شأن وذکر، فغزا إفریقیۃ فبلغ سہم الفارس ثلاثۃ آلاف دینار ثم غزا غزوۃ الأساورۃ سنۃ ۳۱ھ ثم غزا الصواری سنۃ ۳۴ھ[1]......"

یہ عبداللہ بن سعد ہی تھے جنھوں نے ایک بڑے بازنطینی بیڑے کو جس کا مقصد شام اور مصر کو عربوں سے واگذار کرانا تھا شکست فاش دی اور شرقی و وسطی بحرِ متوسط پر عربی تسلط قائم کیا لیکن چونکہ اتفاق سے وہ عثمان غنیؓ کے رشتہ دار تھے اور نفعاط مخالف پارٹیوں کا اڈا، اس لئے ان کی ساری خدمات نسیاً منسیاً کر دی گئیں اور یہ مشہور کیا گیا کہ وہ نااہل اور ستم کیش ہیں جن کو عثمان غنیؓ نے قرابت کی وجہ سے مسلمانوں پر مسلط کر دیا ہے۔

ابوموسیٰ اشعری کی برطرفی کے بعد عثمان غنیؓ نے اپنے ماموں زاد بھائی عبداللہ بن عامر بن کریز کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، شاکی وفد کی خواہش تھی کہ کوئی جوان باہمت اور ہمدرد آدمی ان کا گورنر ہو، یہ صفات عبداللہ میں موجود تھے، ان کی عمر پچیس سال کی تھی اور ابھرنے اور کارہائے نمایاں انجام دینے کے شوق سے دل معمور تھا ان کا شمار قریش کے بڑے خطیبوں اور اجوادمیں ہوتا ہے، یہ پہلے گورنر تھے جن کا انتخاب عثمانؓ غنی نے اپنے اعزا میں سے خود کیا تھا، جہاں تک ہمیں معلوم ہے عبداللہ کو پہلے کوئی سرکاری عہدہ نہیں ملا تھا، وہ تجارت اور کاروبار میں لگے ہوئے تھے، نوعمری

---

[1] الولاۃ والقضاۃ ایڈیٹر رن گسٹ، بیروت ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲۔

کے باوجود ابن عامر کامیاب حاکم تھے، انہوں نے فتوحات بھی کئے اور تعمیری کام بھی، ان کی کامیابی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بصرہ میں مخالف پارٹیوں کا زور کم تھا اور وہ یکسوئی کے ساتھ تعمیری کام کرنے پر قادر ہو سکے، انہوں نے فارس اور خراسان میں جو بغاوتوں کا اکھاڑہ بنے ہوئے تھے عربی اقتدار کے قدم جما دیئے اور نئے نئے علاقے فتح کئے، انہوں نے بصرہ میں کئی اہم نہریں نکلوائیں، مہمان خانے بنوائے، مکہ-بصرہ شاہراہ پر سرائیں کنوئیں اور بازار بنوائے، ان کے تعمیری کاموں کی فہرست کافی لمبی ہے، مصنف کتاب المعارف لکھتا ہے:-

اِفتتح عامّۃ فارس وخراسان وسجستان وکابل واتخذ النّباج وغرس فیھا حتی تدعی نباج ابن عامر واتخذ القریتین وغرس بھا نخلا وأنبط عیونا تعرف بعیون ابن عامر بینھا وبین النباج لیلۃ علی طریق مکۃ وحفر الحُفیر ثم حفر السُّمینۃ واتخذ بقرب قُباء قصرًا وجعل فیہ زنجا لیعلموا فیہ فماتوا فترکہ، واتخذ بعرفات حیاضا ونخلا واحتفر بالبصرۃ نھر ابن أحد؟ فی السوق والآخر الذی یعرف بأم عبد اللہ بالبصرۃ ونھر الأُبُلّۃ وکان یقول لو تُرکت لخرجت امرأۃ فی حدّ اجتھا علی دابتھا ترد کل یوم علی ماء وسوق حتی توافی مکۃ[1] فارس، خراسان اور سجستان (افغانستان) کا بیشتر حصہ نیز کابل فتح کیا، نباج[2] نامی کارواں اسٹیشن بنوایا اور وہاں نخلستان لگوائے جس کی وجہ سے اس کا نام ہی نباج ابن عامر پڑ گیا، قریتین[3] کا کارواں اسٹیشن بنوایا اور

[1] کتاب المعارف ابن قتیبہ مصر صفحہ ۱۳۴، نسب قریش مصعب زبیری اڈیٹر لیوی پروفنسال مصر صفحہ ۱۴۸ پر بھی ابن عامر کے بنوائے متعدد حوضوں اور نہروں کا ذکر ہے، اس ذکر کے آخر میں یہ الفاظ ہیں ولہ آثار فی الارض کثیرۃ۔ [2] مکہ کی شاہراہ پر بصرہ کے لگ بھگ تین سو میل پر ایک کارواں اسٹیشن، معجم البلدان، ۸/۲۴۲۔ [3] نباج کے قریب دو گاؤں جو ابن عامر نے بسائے اور جہاں انار لگوائے اور متعدد چشمے نکلوائے۔

وہاں نخلستان لگوائے، نیز چشمے نکلوائے جو عیون ابن عامر کے نام سے مشہور ہیں، قرتین اور نباج کے درمیان بصرہ۔ مکہ شاہراہ پر ایک رات کی مسافت (تقریباً بائیس میل) ہے، ابن عامر نے جُحَیفر[1] اور سمینہ[2] (صحیح سُمَینہ) کے کنوئیں کھدوائے اور قبا کے قریب حبشی غلاموں سے ایک محل بنوانا شروع کیا لیکن وہ مرگئے تو تعمیر بند کرادی، عرفات مکہ میں حوض بنوائے شہر بصرہ میں دو نہریں نکلوائیں۔ ایک بازار میں اور دوسری جس کا نام نہر اُم عبداللہ (بن عامر) پڑا، ایک تیسری لمبی نہر (بندرگاہ) اُبُلّہ (دہانہ دجلہ - فرات) سے نکلوائی۔ ابن عامر کہا کرتے تھے: "اگر مجھے عہدہ سے ہٹایا نہ گیا تو میں اتنے بڑے پیمانہ پر تعمیری کام کراؤں گا کہ بصرہ سے مکہ جانے والی عورت کو ہر دن راستہ میں ایک نیا بازار اور کنواں ملے گا"۔

تیسرے اور آخری رشتہ دار جن کو عثمان غنیؓ نے گورنر کا عہدہ دیا سعید بن عاص تھے۔ رسول اللہؐ کے انتقال کے وقت ان کی عمر نو سال تھی، ابوبکر صدیقؓ کی موت کے وقت گیارہ سال اور عمر فاروقؓ کی وفات کے وقت کوئی اکیس سال کے تھے، کم عمری کی وجہ سے ان تینوں کے عہد میں ابن عامر کی طرح ان کو بھی کوئی عہدہ نہ مل سکا، قریش کے ایک بڑے خاندان سے ان کا تعلق تھا، کہا جاتا ہے کہ ایک عورت رسول اللہؐ کے پاس ایک چادر[3] لے کر آئی اور کہا: "میں اس کو اکرم العرب کی خدمت میں پیش کرنا چاہتی ہوں"۔ رسول اللہؐ نے کہا: "سعید کو دے دو، یہی اکرم العرب ہیں[4]"۔ فراخ دل، لائق اور پڑھے لکھے آدمی تھے، ابن عامر کی طرح ان کا شمار بھی قریش کے اجواد اور خطیبوں میں ہوتا ہے، جاحظ لکھتا ہے:- کان من الخطباء المُبرِزین لم یوجد کتحبیرہ[5] تحبیر ولا کارتجالہ ارتجال[5]"۔ عثمان غنیؓ نے قرآن کی کتابت اور تدوین کے لئے جو کمیٹی مقرر کی تھی اس میں

---

[1] جُحَیفر بروزن زُبیر، بصرہ کے قریب مکہ کی راہ پر ایک منزل جہاں ابن عامر نے مسافروں کیلئے کنوئیں اور بازار بنوائے تھے۔ [2] سُمَینہ بروزن جُہَینہ بتقدیم لیا علی النون، نباج کے بعد بہ سمت بصرہ منزل کا راستہ شیشن جہاں ابن عامر نے پانی اور خورد ونوش کا انتظام کیا تھا۔ معجم البلدان ۲۹۲/۱۔ [3] اصابہ ۲/۱۴۹۔ [4] محبر ابن حبیب بغدادی صفحہ ۱۰۔ [5] رسائل الجاحظ (مفضل ہاشم علی عبد شمس) مصر صفحہ ۹۶

زبان اور محاورہ کی نگرانی سعید بن عاص کے سپرد کی تھی، عمر فاروقؓ کے عہد میں کئی برس گورنر شام امیر معاویہ کی صحبت میں رہ کر آئینِ جہاں بانی کی تربیت حاصل کی تھی، ان کی شرافت، لیاقت اور سخاوت دیکھ کر عثمان غنیؓ نے اپنی لڑکی ام عمرو کا ان سے عقد کر دیا اور ۲۹ھ میں ولید بن عقبہ الگ کیے گئے تو ان کی جگہ سعید کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا، گورنر ہو کر انہوں نے کئی اہم فتوحات حاصل کیں اور دور رس مالی اصلاحات نافذ کے لیکن مخالف پارٹیوں نے ان کو چین نہ لینے دیا اور الزامات و اتہامات کا نشانہ بنا کر تین چار سال بعد زبردستی ان کو کوفہ سے نکال دیا، باصلاحیت آدمی تو تھے، ہی چند سال بعد جب امیر معاویہ خلیفہ ہوئے تو ان کی پھر مانگ ہوئی اور عرصہ تک گورنری کے عہدہ پر فائز رہے۔

یہ صحیح ہے کہ یہ تینوں رشتہ دار جن کا اوپر ذکر ہوا نو مسلم اور نسبتہً کم عمر تھے لیکن یہ کوئی ایسی بات نہ تھی جس پر اعتراض کیا جاتا کیونکہ خود رسول اللہؐ نو عمروں اور نو مسلموں کو عہدے دیا کرتے تھے اور ان کو پرانے صحابہ کا لیڈر، کمانڈر اور امام بناتے تھے، یہی حال ابو بکر صدیقؓ اور ان کے جانشین عمر فاروقؓ کا بھی تھا، یہاں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:-

(۱) رسول اللہؐ نے ۸ھ میں فتح مکہ کے بعد ایک اموی جوان عتاب بن اُسید (بروزن حمید) کو جن کی عمر بائیس سال سے زیادہ نہ تھی، مکہ کا گورنر مقرر کیا۔

(۲) رسول اللہؐ نے خالد بن ولید کو جو ۸ھ میں مسلمان ہوئے تھے فوجوں کی قیادت عطا کی اور سینیر صحابہ کا لیڈر اور امام بنایا۔

(۳) رسول اللہؐ نے اموی جوان عمرو بن عاص کو جو نو مسلم تھے ایک فوج کا کمانڈر مقرر کیا اور سن رسیدہ نیز پرانے صحابہ پر ان کو قائد اور امام مقرر کیا۔

(۴) رسول اللہؐ نے اپنے مولی اُسامہ بن زید کو جن کی عمر اٹھارہ انیس سال سے زیادہ نہ تھی شرقِ اُردن کی مہم کا کمانڈر انچیف مقرر کیا اور صف اول کے صحابہ جیسے

ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، طلحہؓ، اور زبیرؓ کو ان کی قیادت میں لڑنے کا حکم دیا۔

(۱) ابوبکر صدیقؓ نے خالد بن ولید کی کمان میں باغیوں کے خلاف ایک فوج بھیجی جس میں بہت سے بدری اور اُحدی صحابی موجود تھے اور خالد ان سب کے لیڈر اور امام تھے۔

(۲) ابوبکر صدیقؓ نے ابوجہل کے نو مسلم اور نسبتہً کم عمر لڑکے عکرمہ کی قیادت میں باغیوں کی سرکوبی کو ایک فوج بھیجی، اس میں بھی بہت سے صحابی موجود تھے۔

(۳) ابوبکر صدیقؓ نے نو مسلم اموی جوان یزید بن ابی سفیان کو بدری اور اُحدی صحابہ کا کمانڈر بنا کر شام کے مورچہ پر بھیجا۔

(۴) ابوبکر صدیقؓ نے خادمِ رسول اللہؐ اَنس بن مالک کو بحرین میں زکوٰۃ کلکٹر مقرر کیا حالانکہ ان کی عمر اکیس سال سے زیادہ نہ تھی[۱]۔

(۱) عمر فاروقؓ نے نو مسلم اُموی جوان معاویہ بن ابی سفیان کو شام کی افواج کا سپہ سالار مقرر کیا جس میں سینیئر صحابہ کی کافی بڑی تعداد تھی۔

(۲) عمر فاروقؓ نے چونتیس سالہ سعد بن ابی وقاص کو ایک بڑی فوج کا کمانڈر انچیف بنایا جس میں بہت سے سن رسیدہ اور ممتاز بدری نیز اُحدی صحابہ موجود تھے۔

(۳) عمر فاروقؓ نے ابوسفیان کے دوسرے نو مسلم اور نو عمر لڑکے عُتبہ کو قبائل کِنانہ میں زکوٰۃ کلکٹر مقرر کیا تھا[۲]۔

رسول اللہؐ اور شیخین عہدہ دیتے وقت کسی شخص کی عمر اور قدامتِ اسلام کا اتنا خیال نہیں کرتے تھے جتنا اس کی مستعدی، صلاحیت اور سمجھ بوجھ کا۔

اس بحث کو ہم یہ بتا کر ختم کرتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے اپنے بعض رشتہ داروں کو کیوں عہدے دیئے اور اس سلسلہ میں ان کی دلیل کیا تھی، ان کی پہلی دلیل یہ تھی کہ وہ

---

[۱] تاریخ ابن عساکر شام ۳/۱۴۷ و اصابہ ۱/۷۲۔ [۲] تاریخ الامم ۵/۲۹۔

لائق کارگذار اور مستعد ہیں، ان کی دوسری دلیل یہ تھی کہ رسول اللہؐ نے بھی اپنے رشتہ داروں کو عہدے دیئے تھے، مثلاً انہوں نے اپنے داماد اور چچازاد بھائی علی بن ابی طالبؓ کو سنہ ھ میں یمن کا متولی اخماس اور قاضی بنا کر بھیجا تھا اور اسی سال اپنے خسر ابو سفیان بن حرب کو نجران اور ابو سفیان کے لڑکے یزید کو تیما، کا والی مقرر کیا تھا، پھر اوائل سنہ میں اپنے سالے مہاجر بن ابی امیہ کو صنعا کی گورنری تفویض کی تھی، یہاں یہ بتا دینا بھی فائدہ سے خالی نہ ہوگا کہ عمر فاروقؓ نے اپنے بہنوئی صحابی قدامہ بن مظعون کو بحرین کی گورنری عطا کی تھی[۱] عثمان غنیؓ کی تیسری دلیل یہ تھی کہ چونکہ مدینہ، کوفہ اور فسطاط میں میرے خلاف پارٹیاں بن گئی ہیں جو قول و فعل دونوں سے میری کاٹ کرتی ہیں اور مجھے نقصان پہنچانے کے درپے ہیں اور چونکہ میں بڑے صحابہ کے تعاون سے محروم ہو گیا ہوں میرے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ان مخالف پارٹیوں کے باہر سے اہم ترین عہدوں کے لئے ایسے افسروں کا انتخاب کروں جن کی وفاداری پر بھروسہ ہو اور جن پر میں اعتماد کر سکوں چنانچہ ان عہدوں کے لئے اپنے اقارب میں سے مجھے جو اہل نظر آیا اس کا میں نے انتخاب کر لیا۔

علی بن ابی طالبؓ عثمان غنیؓ کے سخت ترین ناقدوں میں تھے، عثمان غنیؓ کا اپنے بعض رشتہ داروں کو گورنری دینا خاص طور پر ان کو ناگوار تھا اور اس کا بہت چرچا کرتے تھے لیکن شاید قارئین یہ سن کر حیران ہوں کہ جب وہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے اہم ترین صوبوں پر اپنے اقارب ہی کو گورنر مقرر کیا، مکہ پر قثم بن عباس کو، یمن پر عبیداللہ بن عباس کو اور بصرہ پر عبداللہ بن عباس کو۔

(۱۲) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے داماد مروان کو خمس افریقہ عطا کیا حالانکہ وہ مسلمانوں کا حق تھا۔

---

[۱] الاصابہ ۳/۲۲۰

خمس افریقہ کا مشہور اور ہمارے خیال میں زیادہ مستند قصہ یہ ہے کہ ۲۷ھ میں عثمان غنیؓ کی ترغیب پر گورنر مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے شمالی افریقہ (موجودہ تونس و الجیریا) پر جو بازنطینی حکومت کے ماتحت تھا فوج کشی کی، فوج میں ایک تازہ ڈویژن مدینہ کا تھا جس میں صحابہ کے علاوہ اِن کے جوان لڑکوں کی بھی کافی تعداد تھی یہ مہم خاصی ممتد ہوگئی اور کافی وقت کے بعد عرب فتحیاب ہوئے، اس لڑائی میں عثمان غنیؓ کے داماد مروان بھی موجود تھے، مال غنیمت کے پانچ حصوں میں سے چار فوج نے آپس میں بانٹ لئے اور پانچواں حصہ حسب قاعدہ مرکز یعنی مدینہ کے لئے الگ کر دیا گیا۔ خمس میں پچیس لاکھ روپے (پانچ لاکھ دینار) کا سونا چاندی تھا، اس کے علاوہ سامان اور مویشی بھی تھے، سامان اور مویشیوں کا کئی ہزار میل دور مدینہ بھیجنے میں دقت نظر آئی اس لئے اس کا نیلام کر دیا گیا جو مروان نے ایک لاکھ درہم یا پچاس ہزار روپے میں خرید لیا، اس رقم کا بیشتر حصہ انہوں نے نقد ادا کر دیا اور جو کسر رہ گئی بے کو مدینہ جا کر ادا کرنے کا وعدہ کر لیا، سپہ سالار نے خمس مروان کی تحویل میں دیا اور تاکید کی کہ جلد از جلد جا کر خلیفہ کو فتح کا مژدہ سنائیں اور کسر پوری کر کے خمس خزانہ میں جمع کر دیں، مدینہ کے باشندے اپنے لڑکوں اور عزیزوں کی طرف سے بڑے متفکر تھے، اور ان کی خیریت کے بے چینی سے منتظر، مروان نے آکر فتح اور خیریت کا مژدہ سنایا تو سارے شہر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی، عثمان غنیؓ نے خوش ہو کر وہ رقم معاف کر دی جو مروان کے ذمہ رہ گئی تھی اور ایک قول یہ ہے کہ مروان کی درخواست پر عثمان غنی نے ایسا کیا تھا۔

آپ نے دیکھا بات کیا تھی اور مشہور کس طرح کی گئی، معاملہ شاید دس پندرہ ہزار یا اس سے بھی کم کا تھا لیکن پروپیگنڈے نے اس کو یہ رنگ دیا کہ خلیفہ نے اپنے داماد کو خمس افریقہ عطا کیا ہے جو پچیس لاکھ روپے سے زیادہ پر مشتمل تھا۔

تاریخ الخمیس دیار بکری ۲/۲۶۰ و تاریخ یعقوبی نجف ۲/۱۰۰ و انساب الاشراف ۵/۲۰۔

رہا یہ سوال کہ عثمان غنیؓ نے موہوبہ رقم اپنے پاس سے خزانہ میں داخل کی یا نہیں تو ہم اس کا کوئی تحقیقی جواب نہیں دے سکتے البتہ اس بات کا غالب قرینہ ہے کہ انہوں رقم ادا کردی ہوگی کیونکہ اول تو مدینہ اور مدینہ کے باہر کے حکومت دشمن ماحول کا تقاضہ کہ عثمان غنیؓ احتیاط سے کام لیتے اور اپنے مخالفوں اور نکتہ چینوں کو پروپیگنڈے بازی اور اشتعال انگیزی کا موقع نہ دیتے دوسرے وہ اتنے دولتمند اور فراخ دست تھے کہ ان کے لئے دس بیس ہزار روپے ادا کرنا مطلق دشوار نہ تھا، بوقتِ وفات ان کی دولت کا اندازہ علی اقل التقدیر بارہ لاکھ پچاس ہزار روپے اور علی اکثر التقدیر ایک کروڑ ساٹھ لاکھ روپے کیا گیا ہے، اس کے علاوہ ان کے پاس ہزار اونٹ تھے، دس لاکھ کی جائداد جو انہوں نے عزیز و اقارب میں بانٹ دی تھی، دس ہزار روپے سے مسجد نبوی کی تجدید کرائی اور صرف کثیر سے دار الامارہ بنوایا، اس لئے یہ بات بخوبی سمجھ میں آتی ہے کہ انہوں نے موہوبہ رقم ضرور ادا کردی ہوگی اور اگر مان لیا جائے کہ انہوں نے رقم ادا نہیں کی تب بھی ان کے اس فعل کو بدعت قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ اس نوع کی نظیریں رسول اللہؐ اور شیخین کے عہد میں موجود تھیں، ہم یہاں صرف دو کا ذکر کرتے ہیں:- ابوبکر صدیقؓ نے تو عمر انس بن مالک کو بحرین کا زکوٰۃ کلکٹر مقرر کر کے بھیجا تھا وہ جب زکوٰۃ لے کر لوٹے تو ابوبکر صدیقؓ کا انتقال ہو چکا تھا اور عمر فاروقؓ خلیفہ تھے، وہ پہلے سے انس کے قدرداں تھے اور جب ابوبکر صدیقؓ نے ان کو بحرین بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا تو عمر فاروقؓ نے اس کی تائید ان الفاظ میں کی تھی: "ابعثه فأنه لبیب کاتب"۔ انس نے زکوٰۃ پیش کی جو اونٹوں اور دو ہزار روپئے (چار ہزار درہم) پر مشتمل تھی، عمر فاروقؓ نے اونٹ لے لئے اور روپئے انس کو ہبہ کر دیے۔[1]

اسلام سے پہلے ابوبکر صدیقؓ کے بڑے صاحبزادے عبدالرحمن بسلسلۂ تجارت

---

[1] تاریخ ابن عساکر ۳/ ۱۴۷-۱۴۸ و اصابہ ۱/ ۷۲۔

شام گئے تو دمشق کے غسانی رئیس جُودی کی حسین لڑکی لیلیٰ کی جھلک دیکھ کر اس کی محبت میں گرفتار ہو گئے، شام سے لوٹے تو نیم بسمل تھے، ان کے دل کی بے کلی بے حد بڑھ گئی اور شعر بن کر زبان پر آنے لگی، ان کی حالت دیکھ کر عزیز و اقارب کو ترس آتا لیکن لیلیٰ کا حصول کس کے بس کی بات تھا، عمر فاروقؓ کے اولین ایام خلافت میں دمشق فتح ہوا اور جُودی کی لڑکی لیلیٰ قیدی بن کر خمس میں آئی تو عمر فاروقؓ نے اس کو عبدالرحمٰن کے حوالہ کر دیا۔[۱] آخر میں ہم خمس افریقیہ کی بحث کو ایک مشہور معتزلی ابو علی جبائی کی رائے پر ختم کرتے ہیں: إن ما روی من دفعه خمس إفريقية لما فتحت إلى مروان فليس بمحفوظ ولا منقول على وجه يجب قبوله و إنما يرويه من يقصد التشنيع[۲]

(۱۳) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے اپنے ان تین دامادوں کو خزانہ سے بچاس ہزار روپے کا عطیہ دیا۔

(۱) مروان بن حکم شوہر ام ابان بنت عثمان غنیؓ۔

(۲) مروان کے بھائی حارث بن حکم شوہر عائشہ بنت عثمان غنیؓ۔

(۳) سعید بن عاص گورنر کوفہ از [illegible] شوہر ام عمرو بنت عثمانؓ۔

قاضی ملا حسین دیار بکری اس اعتراض کو الزام قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے یہ رقم اپنے پاس سے لڑکیوں کے جہیز پر صرف کی تھی، وہ اتنے مالدار اور مرفہ الحال تھے کہ ان کو سرکاری روپیہ لینے کی ضرورت نہ تھی۔[۳]

معتزلی عالم ابو علی جبائی نے بھی اس اعتراض کو غلط قرار دیا ہے "یہ جو کہا جاتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے اپنے تینوں اموی دامادوں کو پانچ پانچ لاکھ روپے (ایک ایک لاکھ بتا) عطا کئے تو یہ ان کا ذاتی روپیہ تھا اور یہ روایت صحیح نہیں کہ انہوں نے روپیہ خزانہ سے دیا اور اگر یہ صحیح بھی ہو تو یہ کب ثابت ہوتا ہے کہ عثمان غنیؓ نے مزعومہ رقم واپس نہیں کی،

---

۱ تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸۔

حاکم کے لئے وقتِ ضرورت ایسا کرنا جائز ہے کہ خزانہ سے روپیہ لے اور بعد میں لوٹا دے جس طرح اس کو اس بات کا حق ہے کہ خزانہ سے دوسرے کو قرض دے دے[۵۱]

(۱۴) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے حارث بن حکم کو بازار مدینہ سے عُشر ٹیکس وصول کرنے کی اجازت دی یعنی حارث کو جو ان کے چچازاد بھائی اور داماد تھے اس بات کا اختیار دیا کہ جتنا سامانِ تجارت شہر میں آئے اس سے دسواں حصہ بطور ٹیکس وصول کر کے اپنی جیب میں رکھا کریں بالفاظ دیگر بازار سے ٹیکس وصول کرنے کا اجارہ دے دیا، قاضی دیار بکری اس اعتراض کی تردید کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

إنما جعل (عثمان) اليه (الحارث) سوق المدينة ليرعى امر المثاقيل والموازين فتسلّط يومين أو ثلاثة على باعة النوى واشتراه لنفسه فلما رُفع ذلك إلى عثمان أنكر عليه و عزله[۵۲]

صحیح بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے حارث کو بازار کا محتسب بنایا تھا، ان کی ڈیوٹی یہ تھی کہ بازار کے باٹوں، پیمانوں اور سکوں کی نگرانی کریں (اور تاجرانہ بدعنوانیاں نہ ہونے دیں) دو یا تین دن انہوں نے صرافوں کو مجبور کیا کہ سونا صرف ان کے ہاتھ بیچیں اس کی شکایت عثمان غنیؓ سے کی گئی تو انہوں نے حارث کو پھٹکارا اور محتسب کے منصب سے معزول کر دیا، مخالفوں نے پروپیگنڈے کی مشین میں ڈال کر واقعہ کی شکل و ہیئت بالکل بدل ڈالی۔

(۱۵) ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے سرکاری روپے سے متولی خزانہ زید بن ثابت کو پچاس ہزار روپے کا عطیہ دیا[۵۳]

حقیقت کیا تھی اور مخالفوں نے مسخ کر کے اس کو کس صورت میں پیش کیا یہ معلوم کرنے کے لئے قاضی حسین دیار بکری کی تحقیق ملاحظہ ہو :-

---

[۵۱] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۳ ۔ [۵۲] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸ ۔ [۵۳] انساب الاشراف ۵/۳۸

"الصحيح أنه أمر بتفرقة المال على أصحابه ففضل في بيت المال ألف درهم فأمر بانفاقها فيما يراه يصلح للمسلمين فأنفقها زيد على عمارة مسجد النبي صلى الله عليه وسلم بعد ما زاد عثمان في المسجد زيادة"[1] حق بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے زید بن ثابت کو ہدایت کی کہ ابوموسیٰ اشعری گورنر بصرہ کے لائے ہوئے) روپے کو مستحقین میں تقسیم کردیں، تقسیم کے بعد پانچسو روپے بچ گئے تو عثمان غنیؓ نے زید کو حکم دیا کہ ان کو مصالح عامہ کے کسی کام پر خرچ کردیں، زید نے یہ رقم مسجد نبوی کی نوک پلک درست کرنے پر صرف کردی جس کی حال ہی میں توسیع و تجدید ہوئی تھی"۔

۶۶ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے اپنے چوتھے داماد عبداللہ بن خالد بن اُسَید (بروزن حمید) کو سرکاری روپے سے ڈیڑھ لاکھ روپے کا عطیہ دیا۔

عبداللہ کو عثمان غنیؓ کی لڑکی منسوب تھیں، قاضی مکہ دیار بکری کہتے ہیں کہ عثمان غنیؓ نے یہ رقم خزانے سے قرض لے کر دی تھی اور بعد میں ادا کردی تھی۔

"وأما ما ذكروه من صلة عبد الله بن خالد بن أسيد بثلاثمائة ألف درهم فأن أهل مصر عابوه على ذلك لما حاصروه فأجابهم بأنه استقرض له ذلك من بيت المال وكان يحتسب لبيت المال ذلك من مال نفسه حتى وفاه"[2]

اس موضوع پر دوسری رپورٹ یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے مروان کو ساڑھے سات ہزار روپے اور عبداللہ بن خالد بن اُسید کو پچیس ہزار روپے خزانے سے دلوائے تھے اس پر بڑے صحابہ (اصحاب شوریٰ) نے اعتراض کیا تو عثمان غنیؓ نے یہ دونوں رقمیں خزانہ میں جمع کرادیں[3]

---

[1] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۸ - [2] ایضاً ۲/۲۶۷-۲۶۸ - [3] تاریخ الامم ۵/۱۰۱ -

۱۷۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے بہت سی جاگیریں دیں۔

یہ اعتراض بے معنی اور محض پروپیگنڈے بازی پر مبنی ہے کیونکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ سب نے جاگیریں دی تھیں اور رسول اللہؐ نے سب سے زیادہ، یہاں ہم صرف چند کے ذکر پر اکتفا کریں گے، حجاز و نجد سے نکلے ہوئے یہودیوں کی کئی بستیاں خالصہ ہو گئی تھیں یعنی بغیر جنگ کے حاصل ہوئی تھیں اور اس لئے کلیتہً رسول اللہ کے ملک میں آ گئی تھیں، ان بستیوں سے رسول اللہؐ ضرورتمند افراد اور اپنے عزیز و اقارب کو جاگیریں دیا کرتے تھے، مثلاً یہ چار جاگیریں انہوں نے اپنے داماد علی حیدرؓ کو عطا کی تھیں:۔

نُقَیرَین، بیرِ قیس اور شجرہؓ اپنے خسر ابوبکر صدیقؓ کو بنونضیر اور خیبر کی اراضی سے ایک ایک جاگیر[۱] اور دوسرے خسر عمر فاروقؓ کو مدینہ کے باہر اور خیبر میں ایک ایک جاگیر دی تھی، دو جاگیریں زبیر بن عوام کو عطا کی تھیں اور ایک عبدالرحمٰن بن عوف کو[۲] یہی نہیں رسول اللہ نے متعدد جاگیریں ایسے علاقوں میں بھی عطا کیں جو ہنوز فتح نہیں ہوئے تھے جیسے شام کا مقدس گاؤں بیت لحم جس کی فرمائش تمیم داری نے کی تھی۔

ابوبکر صدیقؓ نے اور لوگوں کے علاوہ ایک جاگیر اپنے داماد زبیر بن عوام اور دوسری جاگیر دوسرے داماد طلحہ بن عبید اللہ کو عطا کی تھی[۳]

عمر فاروقؓ نے دیگر افراد کے علاوہ ینبع کا سرسبز نخلستان اپنے داماد علی بن ابی طالب کو اور ایک جاگیر زبیر بن عوام کو دی تھی[۴]

جہاں تک ہمیں معلوم ہے عثمان غنیؓ نے ان چھ افراد کو جاگیریں دیں: عثمان بن

---

[۱] کتاب الاموال ابوعبیدہ قاسم بن سلام صفحہ ۲۷۳ و کتاب الام امام شافعی مصر ۳/۲۶۹ و فتوح البلدان صفحہ ۲۲، ۳۰
[۲] فتوح البلدان صفحہ ۱۹ و کتاب الاموال صفحہ ۲۷۰۔ [۳] فتوح البلدان صفحہ ۱۶ و کتاب الاموال صفحہ ۲۷۶ و کتاب الخراج یحییٰ بن آدم صفحہ ۔ [۴] فتوح البلدان صفحہ ۲۰ و کتاب الام ۳/۲۶۹۔

ابی العاص ثقفی، ان کو بصرہ کے باہر اس مکان کے بدلہ میں جاگیر دی گئی جو عثمان غنیؓ نے مسجد نبوی میں ضم کرلیا تھا[1]۔ (۲) عبداللہ بن مسعود (۳) عمار بن یاسر یا زبیر بن عوام (۴) خباب بن ارت (۵) اسامہ بن زید یا سعد بن ابی وقاص، ان میں زبیر بن عوام کے علاوہ جو سمدھی تھے عثمان غنیؓ کا کوئی رشتہ دار نہ تھا، ان صحابہ کو جاگیر دینے کی رپورٹ قارئین کو یاد رکھنا چاہیے، مسلم نہیں ہے، کتاب الخراج یحیی بن آدم قرشی کے رپورٹر کہتے ہیں کہ ان صحابہ کو عثمان غنیؓ نے نہیں عمر فاروقؓ نے جاگیریں دی تھیں، قرائن سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے[2]۔

۱۸۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنی نے متعدد صحابہ کو جلا وطن کیا۔

ان میں ابوذر غفاری اور اشتر نخعی کا خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے، ان دونوں کا تعلق حکومت دشمن پارٹیوں سے تھا، اشتر نخعی کوفہ پارٹی کے ایک سربرآوردہ لیڈر تھے، عثمان غنیؓ نیز ان کے گورنروں کے خلاف اشتعال پھیلایا کرتے تھے، ابوذر علی حیدر کے خاص آدمی تھے، ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب ہوا اور اس سے بگڑ کر علی حیدر جب بی بی فاطمہؓ کے ساتھ راتوں کو مہاجرین وانصار کے گھر جاکر اپنے استحقاقِ خلافت اور بیعت کے لئے مہم چلا رہے تھے تو جن چند مہاجر صحابہ نے ان کی عملاً بیعت کرلی تھی، ان میں ابوذر اور عمار بن یاسر سب سے زیادہ ممتاز ہیں، یہ دونوں علی حیدر کی خلافت کے لئے جہاد تک کرنے کو تیار تھے، اس وقت سے ان کی وفاداری کلیتہً اہل بیت کے ساتھ وابستہ ہوگئی تھی، عثمان غنی خلیفہ ہوئے تو ان کی کاٹ اور ان کے حکام پر نکتہ چینی اور ان کے خلاف اشتعال انگیزی ان کا مقصد بن گئی، قاضی دیار بکری! کان أبوذر یتجاسر علی عثمان و یجیبہ بالکلام الخشن و یغلظ علیہ ویثیر الفتنۃ وکان یؤدی ذلك التجاسر إلی ذهاب هیبته و تقلیل حرمته[3]۔

---

[1] معجم البلدان ۲/۲۶۵، ۲۶۶/۲۔ [2] محبر ابن حبیب بغدادی ص۹ ۔ کتاب الخراج مصر ص۳۰۔
[3] تاریخ الخمیس ۲/۲۶۹ ، ۲۶۹/۲ ۔ اس سلسلہ میں مزید دیکھئے تاریخ یعقوبی نجف ۲/۱۴۸ ۔

ابو ذر اور اشتر نخعی دونوں کی سرگرمیوں کا مختصر ذکر ہم خطبہ ۱۳۰ اور ۲۴۳ کے مقدمہ میں کر چکے ہیں، زیادہ تفصیل کے لیے قارئین شرح نہج البلاغہ، فتوح ابن اعثم کوفی، تاریخ یعقوبی اور تاریخ الامم طبری کی طرف رجوع کر سکتے ہیں، یہاں ہمیں یہ بتانا ہے کہ عثمان غنیؓ نے ابو ذر یا چند دوسرے افراد کو جلاوطنی کی جو سزا دی وہ جائز اور مناسب تھی، کوئی حکومت باغیانہ سرگرمیوں پر خاموش نہیں بیٹھا کرتی اور نہ ایسے کرتوتوں پر چشم پوشی کرتی ہے جن سے امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو یا جو معاشرہ کا اخلاقی مزاج بگاڑتی ہوں، اسی طرح کسی حاکم سے یہ توقع کرنا بھی بیجا ہے کہ شوریدہ سر اور انانیت یا عصبیت سے سرشار افراد برملا اس کی توہین کریں اور اس کے ساتھ گستاخی سے پیش آئیں اور وہ ان کو سزا نہ دے، رسول اللہؐ نے وجیہہ قریش حکم بن عاص کو ایک بےہودگی پر جس کا تعلق حکومت یا مفاد عامہ سے نہ تھا بلکہ خود ان کی ذات سے تھا جلاوطن کر دیا تھا، عمر فاروقؓ نے معمولی ہجو پر قید کر دیتے تھے، مدینہ میں ایک حسین نصر بن حجاج تھا، اس کی صورت اور زلفوں نے بہت سی عورتوں کو مسحور کر لیا تھا حتیٰ کہ رات میں اس کی محبت کا ترانہ ایک عورت کی زبان سے سنا گیا، عمر فاروقؓ نے اس کی زلفیں کٹوا دیں اور جب اس سے بھی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو اس کو بصرہ جلاوطن کر دیا وہاں بھی اس کے حسن کا جادو نہ رکا تو اس کو فارس بھیج دیا گیا، ایک عرب قرآن کے مشکل اور متشابہ آیات کی تفسیر پوچھنے بصرہ سے مدینہ آیا اور صحابہ کا پیچھا کرنے لگا، عمر فاروقؓ نے اس کے دُرے لگوائے، اس کو قید میں ڈالا، اس کی تنخواہ بند کر دی اور اس کا سوشل بائیکاٹ کرا دیا۔

۱۹۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو مارا۔

ابو ذر غفاری کی طرح عمار بن یاسر بھی علی حیدر کے خاص آدمی تھے، علی حیدر کی حمایت اور عثمان غنیؓ کی مخالفت میں ان کا رول کیسا اور کیفیت دونوں میں ابو ذر غفاری سے زیادہ تھا کیونکہ اول تو ابو ذر عثمان غنیؓ سے کئی سال پہلے وفات پا گئے اور دوسرے انہوں نے

عثمان غنی کی خلافت کا بیشتر حصہ شام میں گذارا اور اگرچہ وہاں حکومت دشمن سرگرمیوں میں لگے رہے تاہم مرکز خلافت ایک عرصہ تک ان کی اشتعال انگیزیوں سے محفوظ رہا، اس کے برعکس عمار بن یاسر برابر مدینہ میں اقامت پذیر تھے اور عثمان غنیؓ کے جیتے جی اور مرنے کے بعد بھی ان کی مذمت کرتے رہے، آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ عثمانؓ غنی کا انتخاب ہوا تو انہوں نے گرج کر کہا تھا، بخدا اگر مجھے چند رضا کار مل جائیں تو میں عثمان کا انتخاب کرنے والوں سے جہاد کروں انہوں نے عثمانؓ غنی کو اسلام تک سے خارج کر دیا تھا اور ان کو کافر کہتے تھے، اگر کبھی عثمان غنیؓ سے بات کرتے تو ابو عبداللہ کہہ کر، امیر المومنین کہہ کر کبھی خطاب نہ کرتے تھے، عثمان غنیؓ ان کی طرف بڑھتے لیکن وہ کھنچتے اور پیچھے ہٹتے، تالیف قلب کی ایک دو مثالیں خط نمبر ۸ میں بیان کی جا چکی ہیں، ایک خبر یہ بھی ہے کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو ایک جاگیر دی تھی، بہرحال عمار بن یاسر کے دل میں عثمان غنیؓ کی طرف سے بیحد کدورت تھی اور وہ کبھی عثمان غنیؓ کے روبرو لیکن اکثر پس پشت لعن طعن کیا کرتے تھے، عثمان غنیؓ کا عمار کو خود مارنا ثابت نہیں ہے بعض لوگ اس کے منکر ہیں اور بعض اس کی توثیق کرتے ہیں، توثیق کرنے والوں کا بیان ہے کہ عمار بن یاسر مقداد بن عمرو، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام اور دوسرے صحابہ نے جن میں اکثریت علی حیدر کے حامیوں کی تھی عثمان غنیؓ کی مزعومہ بدعنوانیوں کی ایک فہرست مرتب کی اور طے کیا کہ اس کو عثمان غنیؓ کے سامنے پیش کریں اور اگر وہ ان کو دور کرنے کے لئے آمادہ نہ ہوں تو معزول یا قتل کر دیں، تحریر میں اس دھمکی کی تصریح کر دی گئی تھی، عمار بن یاسر تحریر لے کر عثمان غنیؓ کے دیوان خانے گئے، عثمان غنیؓ نے اس کا کچھ حصہ پڑھا اور غصہ ہو کر تحریر پھینک دی، اس کے بعد دونوں میں ناملائم گفتگو ہوئی، عثمان غنیؓ نے نوکروں کو آواز دی اور کہا کہ عمار کو مارو، انہوں نے حکم کی تعمیل کی، خود عثمان غنی نے بھی لاتیں ماریں، عمار بے ہوش ہو گئے۔

منکرین سزا کے مطابق مزعومہ بدعنوانیوں کے بارہ میں گفتگو کرنے سعد بن ابی وقاص اور عمار بن یاسر عثمان غنیؓ کی کوٹھی پر آئے، عثمان غنیؓ اس وقت سرکاری کاموں میں مصروف تھے،

انہوں نے دربان سے کہلا بھیجا کہ آج کل میں بہت مصروف ہوں تاہم انہوں نے ملاقات کے لئے ایک دن اور وقت مقرر کر دیا، سعد چلے گئے لیکن عمار ڈٹے رہے اور دربان سے کہا:
کہہ دو کہ میں ابھی وقت ملنا چاہتا ہوں، دربان نے یہ الٹی میٹم پہنچا دیا، عثمان غنیؓ نے پھر کہلا بھیجا کہ میں اس وقت بہت مصروف ہوں، عمار نے برہم ہو کر کہا، کہہ دو مجھے ابھی وقت ملنا ہے، انہوں نے کچھ ایسے توہین آمیز کلمے زبان سے نکالے کہ دربان کو غصہ آگیا اور اس نے عمار کو پیٹا، عثمان غنیؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے دربان کو ڈانٹا ڈپٹا۔[۱]

قارئین یہ نہ سمجھیں کہ یہ واقعہ اُس وقت کی عرب معیشت میں کوئی سنگین یا غیر معمولی سانحہ تھا، عرب مسلمان ضرور ہو گئے تھے لیکن ان کی فطرت نہیں بدلی تھی، ان کی بہت سی عادتیں محسوسات اور سوچنے کے طریقے اب بھی ویسے ہی تھے جیسے اسلام سے پہلے صحابہ میں باہمی اختلاف بھی ہوتا تھا، رد و قدح بھی، ترش باتیں بھی، ان باتوں کی تفصیلات محفوظ نہیں رکھی گئیں اور جن کتابوں میں ان کے تذکرے تھے ان کی طرف سے ایسی بے توجہی برتی گئی کہ وہ ضائع ہو گئیں اور جو بچ گئیں وہ ہنوز روپوش ہیں، جیسے واقدی کی کتاب الشوریٰ یا کتاب السقیفہ، قاضی مکہ زبیر بن بکار کی مُوَفَّقِیَّات یا انساب قریش و اخبارہا یا احمد بن عبدالعزیز جوہری کی زیادات کتاب السقیفہ، تاہم ان کتابوں کے جو اقتباسات دوسری اور اس وقت موجود مؤلفات میں نقل کر لئے گئے تھے ان سے یہ پوری طرح واضح ہو جاتا ہے کہ صحابہ فرشتے نہ تھے نہ معصوم عن الخطا ہستیاں جیسا کہ بعد میں ان کو پیش کیا گیا بلکہ انسان تھے، خطا و صواب سے مرکب اور بڑی حد تک اپنے روایتی ماحول اور مخصوص فطرت کے تابع، اگر یہ صحیح ہے کہ عثمان غنیؓ نے عمار بن یاسر کو پٹوایا یا خود پیٹا تب بھی اس پر اعتراض کرنا اور اس کو فرد جرم قرار دے کر ان کے خلاف پیش کرنا درست نہیں کیونکہ عمار کا طرزِ عمل ان کے اور ان کے خاندان کے ساتھ، ان کی خلافت اور اہم عہدے کے ساتھ بے حد نامناسب تھا، ایک حاکم اپنی اور

---

[۱] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۲۸ - ۲۲۹، و فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۹۱، ۲۹۲۔

اپنے عزیزوں کی توہین، تنقیص، دل آزاری اور اپنے اعمال کی غلط تفسیر و تعبیر کہاں تک برداشت کرسکتا ہے، معتزلی عالم ابو علی جُبائی: یہ ثابت نہیں کہ عثمان غنیؓ نے عمار کو مارا تھا اور اگر ثابت بھی ہو جائے کہ انہوں نے عمار کو اس سنگین قول (تکفیر) کی وجہ سے مارا تب بھی اُن پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حاکم کو خطاکاروں کی تادیب کا حق ہے: إن ضرب عمار غیر ثابت ولو ثبت أنه ضرب للقول العظیم الذی کان یقوله لم یجب أن یکون طعناً علیه لأن للأمام تأدیب من یستحق التأدیب۔[1]

عمر فاروقؓ کے دُرّے سے کون ناواقف ہے، دسیوں جگہ ہم ان کی تاریخ میں پڑھتے ہیں: وعلاہ بالدرة، صحابہ کو وہ ڈلمشتے، بُرا بھلا کہتے اور مار ابھی کرتے، قاضی مکہ دیار بکری: عمر فاروقؓ نے سعد بن ابی وقاص کے سر پر کوڑا مارا جب ان کی آمد پر سعد بطور احترام کھڑے نہ ہوئے اور کہا: تم نے منصب خلافت کا احترام نہیں کیا اس لئے میں نے مناسب سمجھا کہ تم کو بتادوں کہ منصب خلافت بھی تمہارا احترام نہیں کرتا۔ ضرب عمر سعد بن ابی وقاص بالدرة علی رأسه حین لم یقم له وقال: إنك لم تهب الخلافة فأردت أن تعرف أن الخلافة لا تهابك؛ اسی طرح عمر فاروقؓ نے صحابی اُبَیّ بن کعب کو مارا جب ان کو دیکھا کہ وہ آگے آگے چل رہے ہیں اور باقی لوگ ان کے پیچھے پیچھے، اُبَیّ کے سر پر دُرّہ مار کر عمر فاروقؓ نے کہا: یہ پیچھے چلنے والوں کی توہین ہے اور آگے چلنے والے کی تمکنت اور سبک سری کا موجب۔ وکذلك ضرب أُبَیّ بن کعب حین رآه یمشی وخلفه قوم فعلاه بالدرة وقال إن هذا امذلة للتابع وفتنة للمتبوع۔[2] سعد بن ابی وقاص کے بارے میں دوسری رپورٹ یہ ہے کہ عمر فاروقؓ اہل مدینہ میں خمس کا روپیہ بانٹ رہے تھے کہ سعد آئے اور بھیڑ کو چیرتے پھاڑتے اس جگہ پہنچ گئے جہاں عمر فاروقؓ تھے، اس فعل کو عمر فاروقؓ نے بے ادبی پر محمول کیا اور دُرّہ سے ان کی خبر لی اور کہا: تم لوگوں کو چیرتے پھاڑتے گھس پڑے اور سلطان اللہ

---

[1] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۸۔ [2] تاریخ الخمیس ۲/۲۰۰۔

(خلیفہ کی حرمت کا تم نے کچھ خیال نہیں کیا، میں تم کو بتانا چاہتا ہوں کہ بے ادبی خلیفۂ سلطان ہے، مجھے تمہارا خیال نہیں کرسکتا۔[1]

۲۰- ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے صحابی عبداللہ بن مسعود کو مارا۔

یہ اعتراض بے بنیاد ہے، حق بات یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے ان کو مسجد سے نکالنے کا حکم دیا تھا، ایک شخص نے ان کو اٹھایا اور مسجد کے دروازہ پر لا پٹخا جس سے ان کی پسلیوں میں چوٹ آئی اور ایک قول یہ ہے کہ ایک یا دو پسلیاں ٹوٹ گئیں۔

عبداللہ بن مسعود ۲۱ھ سے کوفہ میں نگرانِ خزانہ اور معلمِ قرآن کے فرائض انجام دے رہے تھے ۲۸ یا ۲۹ھ کی بات ہے کہ گورنر ولید بن عقبہ نے کسی ضرورت کے لئے خزانہ سے روپیہ قرض لیا اور ابنِ مسعود سے وعدہ کیا کہ ایک مقررہ وقت پر واپس کر دیں گے لیکن بعض مجبوریوں کے باعث اپنا وعدہ پورا نہ کر سکے، ابن مسعود بگڑ گئے اور فوری واپسی کا مطالبہ کیا، ولید نے عثمان غنیؓ کو صورتِ حال سے مطلع کیا اور استدعا کی کہ ابنِ مسعود سے کہہ دیجئے کہ مجھے پریشان نہ کریں، روپیہ آنے پر ادا کر دیا جائے گا، عثمان غنی نے ابن مسعود کو لکھ بھیجا کہ روپیہ کے لئے گورنر سے تقاضہ نہ کیا جائے، ابنِ مسعود نے طیش میں آکر خزانہ کی کنجیاں پھینک دیں اور اس کی نگرانی سے استعفا دے دیا، اب تک انہوں نے کوفہ کی حکومت دشمن سرگرمیوں میں کوئی عملی حصہ نہ لیا تھا لیکن اس واقعہ کے بعد وہ بھی عثمان غنیؓ، ولید اور ان کی حکومت کے مخالف ہو گئے، اپنے شاگردوں کے سامنے جن کا حلقہ کافی وسیع تھا عثمان غنیؓ پر نقد کرتے اور جمعہ کے دن تقریر میں بھی خلیفہ پر طنز و تعریض کیا کرتے، گورنر ولید نے ان باتوں پر کئی بار احتجاج کیا لیکن ابن مسعود رکنے کی بجائے اور زیادہ چڑھ گئے، اس زمانہ میں ایک دوسرا واقعہ پیش آیا جس نے ابن مسعود کے جذبات کو بے حد مشتعل کر دیا، بڑے شہروں میں صحابہ درس قرآن دیا کرتے تھے، تدریس کا کام حافظہ سے ہوتا تھا یا ان چند پورے یا ادھورے نسخوں سے جو بعض صحابہ نے قرآن کے بنا لئے

[1] تاریخ الامم ۵/۲۴ -

تھے، صحابہ کی یادداشت اور کوشش حفظ ایک پایہ کی نہ تھی، اس لئے کسی کو قرآن صحیح یاد تھا کسی کو غلط صحابہ کے ماخذ بھی مختلف تھے، کسی نے براہ راست رسول اللہؐ سے قرآن سیکھا تھا کسی نے رسول اللہؐ کے شاگردوں سے، اسی طرح کسی نے رسول اللہؐ سے متعدد سورتیں پڑھی تھیں اور کسی نے صرف ایک، آدھی یا تہائی وعلی ہذا، غرض قرآن کی مکتوب اصل نہ ہونے سے قرآن کے الفاظ و قرأت میں کافی فرق پیدا ہو گیا تھا، کبھی ایسا ہوتا کہ جس کو قرآن کا کوئی صحیح لفظ یاد نہ رہتا تو وہ اس کے ہم معنی یا ہم آہنگ دوسرا لفظ اپنی طرف سے لگا دیتا اور حافظہ کی کمزوری کے زیر اثر یا کسی دوسرے نفسیاتی دباؤ میں آکر کسی آیت کے ساتھ نئے جملے یا فقرے بڑھا دیتا تھا، قرأت میں صرفی و نحوی اختلاف بھی ظاہر ہوا، کسی نے ثلاثی مجرد فعل پڑھا، کسی نے ثلاثی مزید، کسی نے اسم فاعل پڑھا، کسی نے صفت مشبہ، کسی نے غفورٌ رحیم، کسی نے رؤوفٌ کریم، مختصر یہ کہ اختلاف قرأت بڑے پیمانے پر پھیلا ہوا تھا، مدینہ، مکہ، صنعا، بصرہ، کوفہ، حمص، دمشق، فسطاط اور دوسرے صدر مقاموں کی قرائتیں سب ایک دوسرے سے مختلف تھیں، ان مقاموں کے عرب جب کسی ایک مورچہ پر جنگ کے لئے جاتے اور ایک کیمپ میں فروکش ہوتے اور قرآن پڑھتے تو سب کی قرائتیں الگ الگ ہوتیں، ہر قرائت والا اپنی قرائت کو درست و مستند سمجھتا اور دوسری قرائتوں کو غلط قرار دیتا، معاملہ یہیں تک محدود نہ رہا بلکہ مختلف قرأت والے ایک دوسرے کو کافر اور ملحد کہنے لگے، بعض فوجی کمانڈروں نے عثمان غنیؓ کو لام پر جانے والے عربوں کے اس قرائتی فتنہ سے مطلع کیا اور کہا کہ اس کی روک تھام کیجئے ورنہ ہزاروں قرآن بن جائیں گے اور عربی وحدت ہمیشہ کے لئے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، اس وقت قرآن کا ایک نسخہ جو ابو بکر صدیقؓ کے عہد میں جمع ہوا تھا مدینہ میں موجود تھا لیکن یہ نہ تو مرتب تھا نہ مکمل اور نہ صحیح، عثمان غنیؓ نے قرآن کی ترتیب، تصحیح اور تکمیل ایک قرآن کمیشن کے سپرد کر دی، جب یہ کام ہو گیا تو انہوں نے قرآن کے متعدد نسخے تیار

کرائے اور ہر صدر مقام کو ایک نسخہ بھیج دیا اور فرمان جاری کیا کہ اس نسخہ کے علاوہ جتنے نسخے ہوں جلا دیے جائیں یا تلف کر دیے جائیں، ابن مسعود کے پاس اپنا ایک نسخہ تھا جس کو انہوں نے خود مرتب کیا تھا اور جس کی مدد سے وہ درس دیا کرتے تھے، اس نسخہ سے اُن کو بڑا لگاؤ تھا، وہ اس پر ناز کرتے اور کہتے کہ میرا قرآن سب سے زیادہ مستند ہے کیونکہ میں نے اس کی ستر سورتیں رسول اللہ کے سامنے پڑھ کر ان کی تصحیح و توثیق کرائی تھی، عثمان غنیؓ کے نسخہ میں ایک سو تیرہ سورتیں تھیں لیکن ابن مسعود کے نسخہ میں ایک سو دس تھیں سورۂ فاتحہ اور معوذتین کو وہ قرآن میں داخل نہیں کرتے تھے، اس اہم فرق کے علاوہ الفاظ کا بھی فرق تھا اور ترتیب سُوَر بھی عثمان غنیؓ کے نسخہ سے مختلف تھی۔

گورنر کوفہ ولید بن عُقبہ ابن مسعود سے ملے اور کہا کہ اب آپ سرکاری نسخہ کے مطابق درس دیا کیجیے، خلیفہ کا حکم ہے کہ دوسرے سارے مجموعے ضائع کر دیے جائیں، آپ اپنا نسخہ میرے حوالہ کر دیجیے تاکہ میں اس کو جلا دوں، ابن مسعود یہ باتیں سن کر بے حد ناراض ہوئے اور اپنا نسخہ دینے یا سرکاری نسخہ کے مطابق قرآن پڑھانے سے انکار کر دیا، خزانہ سے قرض کے معاملہ میں عثمان غنیؓ سے برہم تھے ہی اب قرآن کے معاملہ میں اور زیادہ غصہ ہو گئے اور اپنے شاگردوں اور معتقدین کے سامنے جن میں بہت سے بارسوخ لوگ اور قبائلی سردار شامل تھے، عثمان غنیؓ کی مذمت پہلے سے زیادہ شد و مد کے ساتھ کرنے لگے، کوفہ کی فضا خراب تو تھی ہی، ایک پُرانے اور با اثر صحابی کی زبانِ طعن کھل جانے سے اور زیادہ مکدر ہو گئی، ولید نے عثمان غنیؓ سے ابن مسعود کی شکایت کی تو انہوں نے لکھا کہ ان کو مدینہ بھیج دو، واپسی کے بعد ابن مسعود پہلا جمعہ پڑھنے مسجد آئے تو عثمان غنیؓ نے نا ملائم الفاظ میں ان کے آنے کا اعلان کیا، جواب میں ابن مسعود نے سخت اور طنز آمیز کلمات استعمال کیے، عثمان غنیؓ نے ملازم سے کہا کہ ان کو مسجد سے باہر نکال دے، ابن مسعود پست قد اور منحنی سے آدمی تھے، ملازم ان کو اٹھا کر لے گیا اور مسجد

کے دروازہ پر جاکر پٹخ دیا جس سے ان کی پسلی میں چوٹ آئی یا ٹوٹ گئی جیسا کہ بعض رپورٹروں کا بیان ہے[۱]۔ یہ ہے اس اعتراض کی حقیقت کہ عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن مسعود کو مارا تھا، ابن مسعود بیمار ہوئے تو عثمان غنی ان کی عیادت کو گئے اور منانے کی کوشش کی لیکن ابن مسعود کا غبارِ خاطر کم نہ ہوا حتیٰ کہ انہوں نے مرتے وقت وصیت کردی کہ عثمان غنیؓ میرے جنازہ کی نماز نہ پڑھائیں۔

۲۱۔ ایک اعتراض یہ تھا کہ عثمان غنیؓ نے سرکاری نسخہ کے علاوہ قرآن کے سارے مجموعے ضائع کرا دیئے، اس سلسلہ میں خاص طور پر عبداللہ ابن مسعود اور اُبیّ بن کعب کے مجموعوں کا نام لیا جاتا ہے۔

قرآن کے غیر سرکاری نسخوں کے ضائع کرانے کی وجہ اوپر بیان ہو چکی ہے، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ہر استاد، ہر شہر، ہر قبیلہ اور ہر خاندان کے الگ الگ قرآن بن جاتے نیز اصلی و نقلی قرآن میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا، رہا یہ اعتراض کہ ابن مسعود اور اُبیّ بن کعب کے مجموعے تلف کرا دیئے گئے تو یہ بھی درست نہیں کیونکہ جیسا یعقوبی نے اپنی تاریخ میں[۲] بیان کیا ہے: ابن مسعود نے اپنا نسخہ دینے سے انکار کر دیا تھا اور اُبیّ بن کعب کے بارے میں ابن ندیم کی تصریح ہے کہ ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن ان کے خاندان میں منتقل ہوتا ہوا عباسی دور میں دیکھا گیا تھا[۳]۔

آخر میں ہم عثمان غنیؓ کے دو ہمعصروں کی جن کا تعلق مخالف پارٹیوں سے تھا اعتراضات کے بارے میں رائے نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد خود عثمان غنیؓ کی تقریر کا ایک اقتباس قلمبند کر کے اس بحث کو ختم کر دیں گے۔

عبداللہ بن زبیر:۔

عثمان غنی کے معترضین کی ایک جماعت مجھ سے ملی اور ان پر نکتہ چینی کرنے لگی،

---

[۱] شرح نہج البلاغۃ ۱/۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۸۔ [۲] نجف ایڈیشن ۲/۱۴۷۔ [۳] فہرست ابن ندیم صفحہ ۔

میں نے اُن سے ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کی سیرت پر گفتگو کی اور ان کے ایسے اعمال کا ذکر کیا جن پر کسی نے اعتراض نہیں کیا تھا لیکن انہی اعمال کے لیے عثمان غنیؓ پر نکتہ چینی کی گئی میری دلیلوں سے وہ ایسے لاجواب ہوئے جیسے انگوٹھا چوسنے والے بچے"۔[۱]

عبداللہ بن عمرؓ:۔

"عثمان غنیؓ کے ایسے کاموں پر نکتہ چینی کی گئی جو عمر فاروقؓ نے کیے ہوتے تو کوئی اعتراض نہ کرتا"۔[۲]

عثمان غنیؓ:۔

"بخدا تم لوگ ایسی باتوں پر مجھے لعن طعن کرتے ہو جو ابن خطاب (عمر فاروقؓ) کے زمانہ میں تم نے بخوشی قبول کرلی تھیں، بات یہ ہے کہ انہوں نے تم کو پیروں سے روندھا، ہاتھ سے مارا اور زبان سے تمہاری خبر لی، اس لئے خواہ مخواہ تم ان کے مطیع بنے رہے، میں نے نرمی برتی، مروت سے کام لیا نہ ہاتھ اٹھایا نہ زبان چلائی اس لئے تمہاری جرأت بڑھ گئی اور تم گستاخ ہو گئے"۔[۳]

خورشید احمد فارق

۱۰ رجولائی ۱۹۶۳ء

---

[۱] انساب الاشراف ۹/۵ ۔ [۲] استیعاب ۴۷۶/۲ ۔ [۳] تاریخ الامم ۹۷/۵ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطوط

محرم ۲۴ھ میں عثمان غنیؓ نے خلافت کا چارج لیا، اب سے دس گیارہ سال پہلے کے مقابلہ میں جب عمر فاروقؓ خلیفہ ہوئے تھے عربوں کا سیاسی و معاشی افق بہت بدل گیا تھا اُس وقت وہ غریب تھے، اُن کی قومی آمدنی بہت کم تھی اور ان کی فوجیں عرب۔عراق اور عرب۔شام سرحد سے آگے نہیں بڑھی تھیں، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو ایک کافی بڑی حکومت مصر، شام، عراق، جبال، فارس، سجستان اور کرمان کے وسیع علاقوں پر مشتمل ان کے قبضہ میں آچکی تھی، انہوں نے مفتوحہ ممالک میں اپنی چھاؤنیاں بنالی تھیں اور ماتحت اقوام سے مقررہ خراج اور جزیہ وصول کر رہے تھے، اُن کی تنخواہیں اور راشن مقرر ہو گئے تھے اور ان کی ایک بڑی تعداد دو ڈھائی ہزار روپے سالانہ تک کے مزید وظائف بھی پا رہی تھی جو عمر فاروقؓ نے ابتدائی معرکوں میں شریک ہونے والوں کے لئے مقرر کئے تھے، اسی طرح مدینہ کا ہر آزاد فرد، بچہ سے لے کر بوڑھے تک تنخواہیں، غلہ کا راشن اور سالانہ وظائف لے رہا تھا، اس کے علاوہ تجارت کا وسیع میدان کھل گیا تھا، مدینہ کے متعدد اکابر قریش تجارت، جائداد اور زراعت کی آمدنی سے خوب مالدار ہوتے جارہے تھے، دولت و فرصت پاکر عربوں میں وہ خاندانی رقابتیں اور نسلی تعصبات جو فوجی سرگرمیوں، مشترکہ خطروں اور فقر و افلاس کے نیچے دب گئے تھے، پھر سر اٹھانے لگے۔

عثمان غنیؓ کے الیکشن سے مدینہ میں ایک نئی صورت حال پیدا ہو گئی تھی، یہ تو آپ جانتے

ہی ہیں کہ انتقال سے پہلے عمر فاروقؓ نے چھ اکابر صحابہ نامزد کئے تھے جن میں سے اکثریت رائے کے ساتھ کسی ایک کو خلیفہ منتخب کرنا تھا، عثمان غنیؓ کا انتخاب ہوا تو باقی پانچ اکابر میں سے تین کو ان کا خلیفہ ہونا ناگوار گذرا۔ علی حیدر، طلحہ بن عبیداللہ اور زبیر بن عوام ان میں سے ہر ایک خود کو خلافت کا اہل اور حقدار سمجھتا تھا، تینوں رسول اللہ کے عزیز؟ اور مقرب تھے، مدینہ میں چار سیاسی پارٹیاں ہوگئیں، ایک حکومت یا عثمان غنی کی پارٹی جس میں بنوامیہ کی اکثریت تھی، دوسری علی حیدر کی پارٹی، تیسری طلحہ بن عبیداللہ کی اور چوتھی زبیر بن عوّام کی، آخری تین پارٹیوں نے حکومت کے خلاف محاذ بنالیا اور خلیفہ اور ان کی کارروائیوں پر نقد کرنے لگیں، حج کے زمانہ میں جب سارے اسلامی قلمرو کے مسلمان مکہ میں جمع ہوتے تو ہر پارٹی ان کے سامنے حکومت کی مذمت کرتی اور اپنے امیدواروں کی منقبت بیان کرتی، چند سال کے اندر اندر تمام بڑے شہروں اور صدر مقاموں میں ان پارٹیوں کے حامی اور حکومت کے مخالف پیدا ہو گئے، عثمان غنی کے بہت سے خطوط کو سمجھنے کے لئے اس پس منظر کو ذہن میں رکھنا ضروری ہے۔

ہمارے بعض مورخ کہتے ہیں کہ خلیفہ ہو کر عثمان غنی نے چار عام فرمان لکھے، جن میں سے ایک گورنروں کے نام تھا، دوسرا سالارانِ فوج کے نام، تیسرا خراج افسروں کے نام اور چوتھا عام مسلمانوں کے نام۔

۱۔ گورنروں کے نام

واضح ہو کہ خدا نے حکام اعلیٰ کو اس بات کی تاکید کی ہے کہ رعایا کی دیکھ بھال کریں اور اس بات کی تاکید نہیں کی کہ رعایا سے ٹیکس وصول کریں۔ مسلمانوں کے اولین حاکم رعایا کے خادم تھے محصل ٹیکس نہ تھے، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے حکامِ اعلےٰ خدمت رعایا کے صحیح منصب سے ہٹ کر ٹیکس و خراج وصول کرنے کی تگ و دَو

تفصیلات کے لئے دیکھیے عثمان غنی کا تعارف اور ان پر اعتراضات کا جائزہ۔

میں لگ جائیں گے۔ اگر ایسا ہوا تو حیا، ایمانداری اور وفائے عہد سب رخصت ہو جائیں گے، یاد رکھیئے سب سے زیادہ صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ آپ مسلمانوں کے مفاد اور معاملات سے دلچسپی لیں، اسلام کے دیئے ہوئے حقوق سے اُن کو بہرہ ور کریں اور اسلام کے جو حقوق ان پر ہیں وہ اُن سے وصول کریں، مسلمانوں کے بعد ذمیوں کے معاملات و مفاد سے آپ کو دلچسپی لینی چاہیئے، آپ کے ذمے اُن کے جو حقوق ہیں وہ ان کو دیجئے اور اُن کے ذمہ آپ کے جو حقوق ہیں وہ ان سے لیجئے، ذمیوں کے بعد دشمنوں سے آپ کا طرزِ عمل درست ہونا چاہیئے، ایمانداری اور وفائے عہد کے ذریعہ اُن پر فتح حاصل کیجئے۔[۱]

۲۔ سرحدی کمانڈروں کے نام

"واضح ہو کہ آپ مسلمانوں کے نگہبان و محافظ ہیں، عمرؓ نے آپ کے لئے جو ضابطۂ سیرت مقرر کیا تھا اس سے ہم واقف ہیں بلکہ ہمارے مشورہ ہی سے اس کو مقرر کیا گیا تھا، خیال رکھئے کہ آپ کی کسی بدعنوانی کی شکایت میرے پاس نہ آئے اگر ایسا ہوا تو آپ کا منصب چھن جائے گا اور آپ سے بہتر لوگوں کو آپ کی جگہ مقرر کیا جائے گا، اپنی سیرت پر نظر احتساب رکھئے، مجھ پر بحیثیت خلیفہ جو ذمہ داریاں ہیں ان کو ضرور انجام دوں گا"[۲]

۳۔ خراج افسروں کے نام

"واضح ہو کہ خدا نے مخلوق کو حق و انصاف کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے وہ بس حق و انصاف ہی قبول کرسکتا ہے لہٰذا جب آپ خراج وصول کریں تو حق و انصاف سے کام لیں اور جب دوسروں کے حقوق ادا کریں تو حق و انصاف سے ادا کریں، میری طرف سے دیانتداری کی سخت تاکید ہے، اس پر ثابت قدمی

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ابو جعفر ابن جریر طبری، پہلا مصری ایڈیشن ۵/۴۴ ۔ [۲] ایضاً

سے قائم رہیے، ایسا نہ ہو کہ دیانت کا دامن سب سے پہلے آپ ہی کے ہاتھ سے چھوٹے اور اگلی نسلوں کے بد دیانتوں میں آپ کو بھی شریک کیا جائے امانت و دیانت کے ساتھ ضروری ہے کہ آپ اپنے عہد و پیمان پر بھی قائم رہیں کسی یتیم کا حق نہ ماریئے اور نہ کسی معاہد کے ساتھ زیادتی کیجئے کیونکہ ان کے ساتھ زیادتی کرنے والے سے خدا مواخذہ کرے گا۔[۱]"

۴۔ عام مسلمانوں کے نام

"واضح ہو کہ آپ نے جو کامیابی اور سربلندی حاصل کی ہے وہ اقتدار اور اتباع کے ذریعہ حاصل کی ہے، خیال رکھیے کہ دنیا کی محبت میں پڑ کر آپ صحیح راستہ سے بھٹک نہ جائیں، مجھے اس بات کے پورے آثار نظر آرہے ہیں کہ آپ جب نعمتوں سے خوب بہرہ ور ہو چکیں گے، جب کنیزوں سے آپ کی اولاد بالغ ہو جائے گی اور بدوعربوں اور غیر عربوں میں قرآن خوانی عام ہو جائے گی تو آپ اقتدار و اتباع کو چھوڑ کر اپنی رائے اور اجتہاد سے کام لینے لگیں گے، رسول اللہؐ نے فرمایا ہے الکفر فی العجم[۲]، غیر عربوں کی سمجھ میں جب کوئی بات نہیں آتی ہے تو وہ اجتہاد و رائے سے کام لینے لگتے ہیں۔[۳]"

ہمارے خیال میں یہ پورا خطبہ اس کا بیشتر حصہ جعلی ہے، اس میں اجتہاد کی مخالفت کی گئی ہے حالانکہ رسول اللہؐ، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ، عثمان غنیؓ اور علی حیدرؓ سب اجتہاد سے کام لیتے تھے، آثار و تاریخ کی پرانی اور نئی مطبوعہ عربی کتابوں سے پوری طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بیشتر معاملات میں خلفائے راشدین رسول اللہؐ یا ایک دوسرے کے اتباع و اقتدار کی جگہ شخصی اجتہاد سے کام لیتے تھے اور مصالح وقت ۔ ۔ ۔ کو پیش نظر رکھ کر

---

[۱] تاریخ الامم والملوک ابو جعفر ابن جریر طبری، پہلا مصری ایڈیشن ۵/ ۲۴۴۱ ۔ [۲] اصل میں العجمۃ ہے [۳] تاریخ الامم ۵/ ۲۵۱۵ ۔

مدنی آیات کے احکام تک نظر انداز کر دیتے تھے[1]، اگرچہ پچھلے تینوں خطوں کی طرح اس خط کے راویوں کے بھی نام نہیں لیے گئے اور "قالوا" کے مبہم صیغہ پر اکتفا کیا گیا ہے تاہم ہمارا خیال ہے کہ اس کا تعلق کوفہ کے شعبی اسکول سے ہے، امام شعبی (متوفی ۱۰۴ھ) کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ فارسی محدثوں اور فقیہوں سے نفرت کرتے تھے اور اجتہاد کے بھی مخالف تھے۔

۵۔ ولید بن عُقبہ کے نام

ولید بن عُقبہ عثمان غنیؓ کے سوتیلے بھائی تھے، عمر فاروقؓ نے ان کو میسوپوٹامیہ میں افسر خراج مقرر کیا تھا، ابو بکر صدیقؓ اور رسول اللہ صلعم کے عہد میں بھی وہ زکوٰۃ کلکٹر رہ چکے تھے ۲۵ھ میں عثمان غنیؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا، کوفہ کی وسیع عملداری میں آذربائیجان کا صوبہ بھی شامل تھا جو آج کل روس کے قبضہ میں ہے، یہ بحر کیسپین کے جنوب غربی ساحل پر پھیلا ہوا تھا اور مغرب میں اس کی حد آرمینیہ سے ملتی تھی، جو بازنطینی حکومت کا ایک صوبہ تھا اور آج کل روس کی ایک ریاست ہے، عمر فاروقؓ کے آخر دورِ خلافت یعنی ۲۲ھ میں کوفہ کی ایک فوج نے آذربائیجان پر چڑھائی کی تھی چونکہ یہ پہاڑی اور دشوار علاقہ تھا عرب اس کو باقاعدہ فتح نہ کر سکے، اُن کی ترکتازی سے گھبرا کر یہاں کے رئیسوں نے تقریباً چار لاکھ روپے سالانہ خراج منظور کر لیا، سال ڈیڑھ سال بعد جب عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے مقررہ رقم دینے سے انکار کر دیا اور حکومت کوفہ کے نمائندوں کو ملک سے نکال دیا، ولید بن عُقبہ گورنر مقرر ہو کر آئے تو انہوں نے کوفہ کا ماحول افتراق انگیز پایا، عثمان غنیؓ اور ان کی حکومت کے خلاف ایک تحریک وجود میں آ چکی تھی، بہت سے لوگ خود ان کے تقرر سے ناخوش تھے، ولید نے احتیاط، رواداری اور فراخ دلی سے حکومت کی اور سب کو خوش رکھنے کی کوشش کی، عوام تو ایک حد تک ان سے مطمئن رہے لیکن بہت سے مذہبی و قبائلی اکابر نے ان کے ساتھ تعاون نہیں کیا، اس کی وجہ یہ تھی کہ مدینہ کی سیاسی

---

[1] دیکھیے میرا مضمون بعنوان عمر فاروق کا اجتہاد مطبوعہ ثقافت لاہور، جولائی ۱۹۶۱ء۔

پارٹیوں کے ایجنٹ اپنا کام کر رہے تھے، دوسری طرف فرصت وشکم سیری اپنا تخریبی پارٹ ادا کر رہی تھی، ولید نے اہلِ کوفہ اور بالخصوص مذہبی و قبائلی اکابر کو خوش کرنے کی ایک کوشش کی، آذربائیجان کا خراج بند ہونے سے کوفہ کے خزانہ کو چار لاکھ روپے کا خسارہ ہو رہا تھا، ولید نے سوچا اگر میں یہ خراج بحال کر دوں یا آذربائیجان کو فتح کر لوں تو سب لوگ خوش ہو جائیں گے اور میری قدر کریں گے، انہوں نے آذربائیجان پر چڑھائی کر دی، منصوبہ یہ تھا کہ آذربائیجان فتح کر کے اس سے ملحق صوبہ آرمینیہ بھی فتح کر لیں گے آذربائیجان میں حسب سابق مشکلات پیش آئیں اور بزور قوت اس پر قبضہ نہ ہو سکا عربوں کی ترکتازی سے بچنے کے لئے وہاں کے رئیسوں نے خراج کی سابقہ رقم بھر دینا منظور کر لی، آذربائیجان سے فارغ ہو کر ولید نے ایک فوج آرمینیہ بھیجی، یہ ملک بھی پہاڑی تھا، دروں اور جنگلات سے بھرا ہوا، اس پر بھی قبضہ نہ ہو سکا لیکن مالِ غنیمت خوب ملا، ولید بن عقبہ آذربائیجان کا خراج اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر کوفہ واپس ہوئے، ابھی راستہ ہی میں تھے کہ بازنطینی حکومت نے آرمینیہ میں اُن کی ترکتازی اور لوٹ مار کا بدلہ لینے کے لئے شام پر یورش کر دی، گورنر شام امیر معاویہ نے پوری مستعدی کے ساتھ اس جیلنج کا مقابلہ کیا لیکن ساتھ ہی انہوں نے مرکز سے بھی رسد طلب کی، عثمان غنیؓ نے ولید بن عقبہ کو جو اس وقت میسوپوٹامیہ میں تھے، یہ مراسلہ بھیجا:-

"واضح ہو کہ معاویہ بن ابی سفیان نے مجھے خبر دی ہے کہ بازنطینی حکومت نے ایک بڑی فوج سے مسلمانوں پر یورش کر دی ہے، میں چاہتا ہوں کہ کوفہ کے لوگ اپنے شامی بھائیوں کی مدد کو جائیں، جس جگہ میرا قاصد تم کو یہ خط دے وہیں سے تم آٹھ نو یا دس ہزار سپاہیوں کی فوج ایک ایسے کمانڈر کی قیادت میں بھیج دو جو تمہارے خیال میں بہادر جری اور مخلص مسلمان ہو"[1]

---

[1] ابو مخنف۔ تاریخ الامم ۵/۴۶۔

۶۔عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے نام

وفات سے کچھ عرصہ پہلے عمر فاروقؓ نے مصر کے مالی معاملات کی بہتر نگرانی کے لئے عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو افسر خراج مقرر کیا تھا اور مصر کے گورنر عمرو بن عاص کا دائرۂ اختیار صرف سیاسی و جنگی امور تک محدود کر دیا تھا، مالی شعبہ کی علیحدگی عمرو بن عاص کو ناگوار گذری، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو عمروؓ مدینہ آئے اور کہا یا تو آپ مصر میں دوعملی ختم کیجئے یا میں استعفا دیتا ہوں، عثمان غنیؓ نے کہا کہ عبداللہ کا ریکارڈ اچھا ہے، ان کی زیر نگرانی سرکاری آمدنی بڑھ گئی ہے اس لئے ان کو افسر خراج کے عہدہ سے ہٹانا مناسب نہیں ہے، تم اپنے عہدہ پر رہو، وہ اپنے عہدہ پر، عمرو بن عاص اس کے لئے تیار نہ ہوئے اور استعفا دے دیا، عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن سعد کو افسر خراج کے ساتھ مصر کا گورنر بھی بنا دیا، عبداللہ مستعد اور لائق حاکم تھے عمرو بن عاص کے ہوا خواہوں کو عبداللہ کا تقرر ناگوار گذرا، انہوں نے عثمان غنیؓ پر کنبہ پروری کا الزام لگایا اور حکومت مدینہ پر لعن طعن کرنے لگے، مصر کا بندرگاہ اسکندریہ عیسائیت کا بہت بڑا مرکز تھا، ۲۱ھ میں سخت محاصرہ اور جنگ کے بعد عمرو بن عاص نے اس کو فتح کیا تھا لیکن بازنطینی حکومت اور مقامی عیسائی اس پر دوبارہ قبضہ کرنے کی برابر کوشش کرتے رہے، ۲۳ھ میں قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت کے اشارہ سے اسکندریہ میں ایک بغاوت ہوئی، پھر دوسری اور پہلی سے زیادہ منظم اور بڑے پیمانہ پر ۲۵ھ میں واقع ہوئی، اس بار بھی بازنطینی حکومت کی فوج اور بیڑا باغیوں کی پشت پر تھا، اسکندریہ میں مسلمانوں کی جو فوجی چوکیاں تھیں حملہ آور ان کو معطل کر کے شہر میں گھس آئے، کئی ماہ کے مقابلہ اور کافی نقصان کے بعد اسکندریہ دوبارہ فتح ہوا، اسکندریہ چونکہ ساحلی شہر تھا اور بازنطینی بیڑے کی زد میں، اس لئے عمر فاروقؓ نے ساحل پر متعدد فوجی چوکیاں بنوا دی تھیں جن کا مقصد خطرہ کے وقت حکومت کو مطلع کرنا اور دشمن کے اچانک حملہ کا مقابلہ کرنا تھا، بازنطینی دونوں بار ان چوکیوں کو معطل کر کے ہی شہر میں داخل ہوئے

تھے، ضرورت تھی کہ ان کو اور زیادہ مستحکم بنایا جائے، ذیل کا خط اسی موضوع پر ہے۔

"تمہیں معلوم ہے کہ امیر المومنین عمرؓ اسکندریہ کی حفاظت کا کتنا خیال رکھتے تھے، رومی دو بار نقضِ عہد کر کے بغاوت کر چکے ہیں، اسکندریہ میں فوجی چوکیاں قائم رکھو اور یہاں کی حفاظتی فوج کو (باقاعدگی اور فراخ دستی سے) ماہانہ اور ضروری سامان دیتے رہو، فوج باری باری سے چھ چھ ماہ یہاں رکھی جائے[1]"

۷۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

عمر فاروقؓ کی خلافت کے نصف آخر میں امیر معاویہ نے شام کے بندرگاہوں عکا، صور، یافا وغیرہ کو جو بازنطینی بیڑے کے اڈے تھے، فتح کر لیا تھا، یہاں سے نکلنے کے بعد بازنطینی حکومت نے قریب کے جزیرہ قبرص (CYPRUS) میں بحری اڈہ بنا لیا، امیر معاویہ کو اندیشہ تھا کہ کہیں بازنطینی حکومت قبرص سے شام کے ساحل پر حملہ نہ کر دے، اس اندیشہ کے پیشِ نظر انہوں نے عمر فاروقؓ سے قبرص پر چڑھائی کی اجازت مانگی، عمر فاروقؓ نے اجازت نہ دی، وہ سمندری سفر کے خطروں سے واقف تھے اور بحری فوج کشی کو ناپسند کرتے تھے، بلکہ وہ تو اس درجہ محتاط تھے کہ اپنی فوجوں کو دریا پار تک چھاؤنیاں نہ بنانے دیتے تھے تاکہ کسی خطرہ کے وقت فوج کو گھر لوٹنے یا گھر سے اس کی مدد کو رسد پہنچنے میں دریا پار کرنے کی مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے، عثمان غنیؓ خلیفہ ہوئے تو امیر معاویہ نے حالات زیادہ موافق پا کر ان کو لکھا کہ قبرص ساحل شام سے قریب اور دولت سے بھرپور جزیرہ ہے، اس کی فتح مسلمانوں کے لئے بڑی مبارک ثابت ہوگی، مجھے اس کو مسخر کرنے کی اجازت دیجئے عثمان غنی اجازت دیتے ہوئے ہچکچائے، عمر فاروقؓ کی طرح وہ بھی مسلمانوں کو بحری سفر اور اس کی جنگ کے خطروں میں نہ ڈالنا چاہتے تھے، چنانچہ انھوں نے لکھا:-

---

[1] فتوح مصر ابن عبد الحکم، اڈیٹر چارلس ٹوری لائڈن سنہ ۱۹۲۰ء ص ۱۹۲ -

"تم کو معلوم ہے عمر رحمہ اللہ نے کیا جواب دیا تھا جب تم نے ان سے سمندری جنگ کی اجازت مانگی تھی"[1]

۸. معاویہ بن ابی سفیان کے نام

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کی آرمینیہ میں ترکتازی کا بدلہ لینے کے لئے قیصر روم نے شام پر حملہ کر دیا تھا، اس حملہ کو ناکام کرنے کے بعد امیر معاویہ کو فکر ہوئی کہ کہیں قیصر روم قبرس کے بحری اڈے سے فائدہ اٹھا کر سمندر کی طرف سے شام پر حملہ نہ کر دے، ان کا خیال تھا کہ جب تک قبرس پر مسلمانوں کا قبضہ نہ ہو جائے شام پر سمندری حملہ کا خطرہ ہر وقت منڈلاتا رہے گا، چنانچہ ۲۷ھ میں (بازنطینی حملہ کی ناکامی کے بعد) انہوں نے قبرس پر فوج کشی کے بارے میں مرکز سے پھر خط و کتابت کی، عثمان غنیؓ اب بھی اجازت دینے کو تیار نہ ہوئے، وہ اب بھی اسی خیال میں تھے کہ امیر معاویہؓ فتح کے شوق میں قبرس پر فوج کشی کرنا چاہتے ہیں، رہا قبرس سے شام پر حملہ کا خطرہ تو اس باب میں خلیفہ کی رائے یہ تھی کہ سمندر میں دشمن سے جنگ کی نسبت ساحل پر لڑنے میں نقصان کا کم امکان ہے لیکن جب ان کو بار بار یقین دلایا گیا کہ سمندری سفر میں کوئی خطرہ نہیں تو انہوں نے ایک دلچسپ شرط کے ساتھ اجازت دے دی۔

"اگر سمندر کے سفر میں تم اپنی بیوی کو ساتھ لے جاؤ تب تو میں اجازت دیتا ہوں ورنہ نہیں"[2]

۹۔ خط کی دوسری شکل

"امیر المومنین عمرؓ کے زمانہ میں بھی تم نے قبرس پر فوج کشی کی خواہش ظاہر کی تھی اور ان سے اس کی اجازت مانگی تھی لیکن انہوں نے اجازت نہیں دی کہ ادھر کا رخ کرو اور سمندری سفر کے خطرے مول لو، مجھے بھی اس مہم کی اجازت دیتے ہوئے

---

[1] واقدی فتوح البلدان بلاذری مصر ۱۳۱۹ھ ص ۱۵۹۔ [2] ایضاً۔

بس و پیش ہے، تاہم اگر تم اس کو ناگزیر سمجھتے ہو تو مناسب ہے کہ اپنے
بال بچوں کو جو تمہارے پاس ہوں اپنے ساتھ لے جاؤ جبھی میں سمجھوں گا
کہ تمہارا یہ دعویٰ صحیح ہے کہ سمندری سفر میں کوئی خطرہ نہیں"[1]

۱۰۔ خط کی تیسری شکل

"قبرص پر حملہ کے لئے بھرتی نہ کرو اور نہ قرعہ اندازی کے ذریعہ فوج مرتب کرو
بلکہ جو خوشی خوشی جہاد کے لئے تیار ہو جائے اس کو لے جاؤ اور تیاری میں
اس کی مدد کرو"[2]

۱۱۔ معاویہ بن ابی سفیان کے نام

قبرص کی فتح اور وسیع پیمانہ پر وہاں سے مالِ غنیمت حاصل کر کے معاویہ کی توجہ اس کے مغرب میں واقع ہونے والے جزیرہ روڈس (RHODES) کی طرف مبذول ہوئی، یہ موجودہ ترکی کے جنوبی ساحل کے قریب واقع ہے، اس کی لمبائی پینتالیس میل اور زیادہ سے زیادہ چوڑائی بائیس میل ہے، آب و ہوا خوشگوار اور پھل وافر ہیں، عرب تسخیر کے وقت مال و دولت سے بھی بھرپور تھا، امیر معاویہ نے عثمان غنیؓ سے حملہ کی اجازت مانگی تو یہ جواب آیا:۔

"سمندری فوج کشی میں بڑا خطرہ ہے اور نہیں معلوم اس کا کیا انجام ہو، تاہم اگر تم نے روڈس پر چڑھائی اور اس کی تسخیر کا ارادہ مصمم کر لیا ہو تو پوری احتیاط اور ہوشیاری سے کام لینا اور خوفِ خدا کو اپنا شعار بنائے رکھنا"[3]

عرب فوج کی رومیوں سے ساحلِ روڈس کے قریب ایک بڑی بحری لڑائی ہوئی جس میں طرفین کے بہت سے آدمی مارے گئے بالآخر امیر معاویہ کامیاب ہوئے، عرب فوج جزیرہ میں داخل ہوئی تو پھر سخت تصادم ہوا، عربوں نے جزیرہ کو تاخت و تاراج کر ڈالا، وہاں کے

---

[1] فتوح ابن اعثم کوفی قلمی ورق ۲۶۵ - [2] تاریخ کامل ابن اثیر پہلا مصری ایڈیشن ۳۹/۳ -
[3] فتوح ابن اعثم کوفی ورق ۲۷۱ -

بیشتر مرد مارے گئے جو بچے سمندر میں بھاگ گئے، قیمتی مال و متاع اور بہت سی کنیزیں عربوں کے ہاتھ آئیں، یہ سب لے کر امیر معاویہ واپس ہو گئے، کئی برس تک روڈس اجڑا پڑا رہا، سنہ ۴۱ھ میں خلیفہ ہو کر امیر معاویہ نے روڈس کی آبادکاری کی طرف توجہ کی اور کئی درجن عرب خاندان روڈس میں بسنے اور اس کی حفاظت کے لئے بھیج دیئے، آہستہ آہستہ جزیرہ میں تجارت اور کاشت ہونے لگی لیکن ابھی بیس سال بھی نہ گذرے تھے کہ ناساعد حالات میں عربوں کو جزیرہ چھوڑنا پڑا اور وہاں بازنطینی حکومت کا عمل دخل ہو گیا۔

۱۲۔ امیر معاویہ اور دوسرے گورنروں کے نام

"آپ کا طرزِ عمل ویسا ہی رہنا چاہیئے جیسا کہ عمرؓ کے عہد میں تھا، آپ کی سیرت میں برائیاں نہ آنی چاہییں، جن معاملات کا تصفیہ کرنے میں آپ کو دقت پیش آئے وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اس کے بارے میں قوم سے مشورہ کر کے آپ کو صحیح طریق کار سے مطلع کریں گے، دوبارہ تاکید ہے کہ آپ کے طور طریق ویسے ہی رہنے چاہییں جیسا کہ عمرؓ کے زمانہ میں تھے۔"[1]

۱۳۔ ولید بن عقبہ کے نام

شمالی یمن اور مکہ کے مشرق میں نجران ایک سرسبز اور خوش حال شہر تھا، یہاں کئی صدیوں سے عیسائی آباد تھے، انہوں نے اپنی مذہبی اور اقتصادی زندگانی کافی اچھی طرح منظم کر لی تھی، وہ زراعت اور مختلف صنعتوں سے واقف تھے جیسے پارچہ بافی اور ہتھیار سازی سنہ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی لیکن وہ ترکِ مذہب کے لئے تیار نہ ہوئے، ان کا ایک وفد مدینہ آیا اور رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کی، اس کے نتیجہ میں یہ طے ہوا کہ نجران کے عیسائی ہر سال رسول اللہ ﷺ کو چالیس ہزار درہم یا اتنی مالیت کے کپڑے دیا کریں گے اور اس کے عوض رسول اللہ ان کی جان، مال اور مذہب کی حفاظت کا ذمہ لیں گے

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵ / ۱۵ ۵۔

اس مضمون کی ایک دستاویز لکھ دی گئی، ساڑھے چھ ماہ بعد رسول اللہؐ کا انتقال ہو گیا، ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہوئے تو نجرانی عیسائیوں کا ایک وفد دستاویز کی توثیق نیز اپنی وفاداری کا اقرار کرنے مدینہ آیا، ابو بکر صدیقؓ نے دستاویز کی توثیق کر دی، عمر فاروقؓ نے اپنی خلافت کے کئی سال بعد نجرانیوں کو جلا وطن کر دیا، اس کے کئی سبب بیان کیے گئے ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نجرانیوں نے سود کھانا شروع کر دیا تھا جو رسول اللہؐ سے کیے ہوئے معاہدہ کے خلاف تھا، دوسرا قول یہ ہے کہ رسول اللہ نے وفات کے وقت ان کو ملک سے نکالنے کی وصیت کی تھی، تیسرا قول یہ ہے کہ انہوں نے بہت سے ہتھیار اور گھوڑے جمع کر لیے تھے جس سے حکومت مدینہ کو ان کی طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا، بہر حال عمر فاروقؓ نے ان کو جلا وطن کر دیا، ان کا ایک حصہ شام چلا گیا اور دوسرا اور غالباً بڑا حصہ کوفہ کے قریب دیہاتوں میں آباد ہو گیا، عمر فاروقؓ نے عراق و شام کے گورنروں کو لکھ دیا کہ نجرانیوں کو کاشت کے لئے اتنی زمین دلوا دیں جتنی وہ جوت سکیں نیز یہ کہ مسلم و غیر مسلم سب ان کے ساتھ ہمدردی و فراخ دلی سے پیش آئیں، وہ نجرانی جو شام چلے گئے اچھے رہے کیونکہ ان کے وہاں بہت سے ہم مذہب آباد تھے جنھوں نے ان کو کھپا لیا لیکن کوفہ کے پاس آباد ہونے والے نجرانیوں کو کافی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، یہاں عیسائی بہت کم تھے اور غیر عیسائی ان کے ساتھ اچھی طرح پیش نہ آئے اور ان کو اپنے علاقہ سے نکالنے کے لئے انہوں نے سرکارِ مدینہ سے رجوع کیا، یہ واقعہ عمر فاروقؓ کی وفات سے چند دن پہلے کا ہے، انہوں نے شکایت پر جو کارروائی کی اس کی نوعیت کیا تھی یہ ہم نہیں بتا سکتے لیکن اتنا معلوم ہے کہ نجرانیوں کو اپنا گھر چھوڑنا پڑا اور اب وہ کوفہ کے قریب ایک دوسرے دیہاتی علاقہ میں منتقل ہو گئے، یہ جگہ کوفہ سے کوئی چالیس پچاس میل مشرق میں زیر آب نشیبی اراضی (بطائح) سے متصل تھی، اس کا نام نجرانیہ پڑ گیا، چند ہی سال گذرے تھے کہ یہاں کی فضا بھی ان پر تنگ ہو گئی اور مقامی باشندوں نے ان کو نکالنے کے لئے عثمان غنیؓ سے شکایت کی، دوسری طرف نجرانیوں کا بھی

ایک وفد [illegible] میں خلیفہ سے ملا اور اپنی شکایتیں پیش کیں، ان کی ایک شکایت یہ تھی کہ نیا ماحول ان کو موافق نہیں ہے، ان کو ستایا اور ذلیل کیا جاتا ہے، دوسری شکایت اس بات کی تھی کہ اُن کے بہت سے ہموطنوں کے اِدھر اُدھر بکھر جانے سے اُن کی اجتماعی آمدنی اتنی کم ہو گئی ہے کہ ان کو معاہدہ کے سالانہ چالیس ہزار روپے فراہم کرنے میں دقت ہوتی ہے عثمان غنیؓ نے ان کی باتیں ہمدردی سے سنیں اور ولید بن عقبہ کو جو کوفہ کے گورنر تھے یہ فرمان بھیجا:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین کی طرف سے ولید بن عقبہ کو سلام علیک، میں اس معبود کا سپاس گذار ہوں جس کے سوا کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں، واضح ہو کہ اُسقف (بشپ)، عاقب (VICAR) اور نجرانیوں کے اکابر جو اس وقت عراق میں مقیم ہیں، مجھ سے ملے اور اپنی مشکلات کی شکایت کی اور مجھے عمرؓ کی وہ تحریر دکھائی جس میں انہوں نے یمن میں متروکہ ارضی کے عوض نجرانیوں کو عراق اور شام میں ارضی دینے کا حکم دیا تھا، تم اُس بدعنوانی سے بھی واقف ہو جو مسلمانوں نے ان کے ساتھ کی ہے، ان سب باتوں کے پیشِ نظر میں نے ان کے جزیہ میں تیس حُلّے (چھ سو روپے سالانہ) کی تخفیف کر دی ہے اور میں سفارش کرتا ہوں کہ ان کو وہ سب ارضی دے دی جائے جو عمرؓ نے اُن کو عراق میں دلوائی تھی، اس کے علاوہ لوگوں کو اچھی طرح سمجھا دو کہ اُن کے ساتھ ہمدردی سے پیش آئیں کیونکہ یہ ذمّی ہیں جن کے ساتھ حُسنِ سلوک کا ہم نے ذمہ لیا ہے، اس کے علاوہ میری ان لوگوں سے پرانی واقفیت بھی ہے، تم وہ تحریر خود بھی دیکھنا جو عمرؓ نے ان کو لکھ کر دی تھی اور جو وعدہ اس میں کیا گیا ہے اس کو پورا کرنا، پڑھنے کے بعد یہ تحریر نجرانیوں کو لوٹا دینا (تاکہ بوقتِ ضرورت ان کے کام آئے) والسلام"[1]

---

[1] کتاب الخراج ابو یوسف مصر ۱۳۵۲ھ ص۷۲ و معجم البلدان یاقوت مصر ۸/ ۲۶۴ -

۱۴۔ خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ عاقب اسقف اور اکابر نجران میرے پاس رسول اللہؐ کی دستاویز لائے اور عمرؓ کی وہ تحریر مجھے دکھائی جس میں نجران کی متروکہ اراضی کے بدلے عراق میں ان کو زمین دینے کا وعدہ ہے، میں نے عثمان بن حُنیف (افسر لگان عراق) سے نجرانیوں کی موجودہ زمینوں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے تحقیق کر کے مجھے بتایا ہے کہ یہ زمینیں عراق کے زمینداروں کی ہیں اور ان کے نکلنے سے زمینداروں کو نقصان ہو رہا ہے، میں نے خدا کی خوشنودی کی خاطر نیز نجرانیوں کی متروکہ اراضی کے بدلہ . . . . . اُن کے سالانہ جزیہ سے دو سو حُلّے (چار ہزار روپے) کی کمی کر دی ہے، میں ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کی سفارش کرتا ہوں کیونکہ وہ ہماری حفاظت میں آچکے ہیں[1]"

اس فرمان کے زیر اثر نجرانیوں کی تکلیفیں کس حد تک دور ہوئیں یہ بتانے سے ہم قاصر ہیں لیکن قرائن سے یہ صاف ظاہر ہے کہ وہ اپنے نئے گھر اور وہاں کے حالات سے مطمئن نہ تھے۔ چنانچہ پانچ چھ برس بعد جب علی حیدرؓ نے کوفہ کو اپنی حکومت کا مرکز بنایا تو یہ لوگ اُن سے ملے اور بڑی منت سماجت سے درخواست کی کہ ہمیں نجران واپس جانے کی اجازت دے دیجئے، ہم کو یہاں بہت تکلیف ہے، لیکن علی حیدرؓ نے یہ کہہ کر ان کو خاموش کر دیا کہ کان عمر رشید الأمر وأنا اکرہ خلافہ۔

علی حیدرؓ کے بعد امیر معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو نجرانی اکابر ان سے ملے اور اپنی مشکلات پیش کیں اور بتلایا کہ ہمارے نجرانی ہموطن ہر طرف منتشر ہو گئے ہیں، ان میں بہت سے مر چکے اور ان کی ایک خاصی تعداد مسلمان ہو چکی ہے لہذا ہمارا جزیہ کم کر دیجئے، امیر معاویہؓ نے چار ہزار روپے کی تخفیف کر دی اور اب ان کے ذمہ کل تیس ہزار رہ گئے، کوئی پچاس

---

[1] فتوح البلدان ص۷۳۔

سال بعد نجرانی اپنی قلتِ تعداد اور معاشی بدحالی کا شکوہ کرنے خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس آئے، انہوں نے ان کی آبادی کا شمار کرایا تو وہ پہلے کی نسبت صرف دس فیصد نکلی یعنی عمر فاروقؓ کے عہد میں اگر وہ چالیس ہزار تھے تو اب چار ہزار سے زیادہ باقی نہ تھے، عمر بن عبد العزیزؒ نے ان کا جزیہ گھٹا کر آٹھ ہزار کر دیا، اُن کے بعد عراق کے اموی گورنروں نے یہ رقم بڑھا دی لیکن جب عباسی حکومت کا دور شروع ہوا تو منصور اور رشید نے اس کو گھٹا کر پھر آٹھ ہزار کر دیا[۱]۔

جیسا کہ قارئین نے محسوس کیا ہوگا مذکورہ بالا دونوں دستاویزیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، پہلی میں نجرانیوں کے ساتھ مسلمانوں کی بدسلوکی کا شکوہ ہے جو دوسری میں نہیں، یہ بدسلوکی کس نوعیت کی تھی ہمارے رپورٹر نہیں بتاتے، بہت ممکن ہے مسلمانوں نے نجرانیوں کو ان کی اراضی سے بے دخل کر دیا ہو اور شاید اسی وجہ سے دستاویز میں یہ سفارش ہے کہ نجرانیوں کو وہ اراضی دے دی جائے جو عمر فاروقؓ نے ان کو کوفہ کے مضافات میں کاشت اور رہائش کے لئے دلوائی تھی، اس سفارش کا دوسری دستاویز میں مطلق ذکر نہیں اس میں تو ایک بالکل ہی نئی بات ہے اور وہ یہ کہ خلیفہ نے عراق کے کمشنر مالگذاری سے تحقیقات کی تو اس نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ ان زمینوں کے نکل جانے سے جن کو نجرانی کاشت کرتے رہے تھے عراق کے زمینداروں کو جو ان زمینوں کے اصلی مالک تھے، نقصان ہو رہا ہے، بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کمشنر کی اس رپورٹ پر خلیفہ نے نجرانیوں کو ان کی اراضی واپس دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور ان کے سالانہ خراج میں تخفیف ہی پر اکتفا کیا، تیسرا اختلاف یہ ہے کہ پہلی دستاویز میں نجرانیوں کے خراج میں صرف چھ سو روپے کی کمی کی گئی ہے لیکن دوسری میں اس رقم کے چھ گنے سے زیادہ یعنی چار ہزار کی۔

اس طرح کا اختلاف اور تناقض جیسا کہ ہم مقدمہ میں واضح کر چکے ہیں عربی تاریخ کی

---

[۱] معجم البلدان ۸/۲۶۳ - ۲۶۷ و فتوح البلدان ص۷۳ و کتاب الخراج ابو یوسف ص۴۲ -

کی نمایاں خصوصیت ہے کیونکہ یہ تاریخ راویوں کی معرفت ہم تک پہنچی ہے، راویوں کے الگ الگ اسکول تھے اور ہر اسکول کے اصولِ روایت، عقلی و اخلاقی سطح اور فقہی مسلک ایک دوسرے سے مختلف، یہ اختلاف بیان کردہ واقعات کی شکل اور ہیئت پر گہرا اثر ڈالتا تھا، یہ ایسے خطوط میں زیادہ نمایاں نظر آتا ہے جن کا موضوع مالی معاملات اور منافع ہوتے ہیں۔

۱۵۔ ولید بن عقبہ کے نام

ولید بن عقبہ کی گورنری کے اواخر میں کوفہ کے چند سرپھروں نے ایک شخص کے گھر شب میں نقب لگایا، وہ شخص بیدار ہوگیا اور پڑوسیوں کو بلانے کے لئے اُس نے چیخنا شروع کیا نقب زنوں کو یہ بات اتنی بری لگی کہ انہوں نے اس کو جان سے مار دیا، اس اثنا میں آس پاس کے کچھ لوگ مدد کو آگئے اور انہوں نے گھیرا ڈال کر نقب زنوں کو پکڑ لیا، ان کو گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کے سامنے پیش کیا گیا، ولید نے قید میں ڈال دیا، اور خلیفہ کو کیس کی پوری روئداد لکھ بھیجی، عثمان غنیؓ نے حکم دیا کہ نقب زنوں کو قتل کی پاداش میں موت کی سزا دی جائے، ایسا ہی کیا گیا، نقب زنوں کے باپ اور عزیز و اقارب جاہلی عرب دستور کے مطابق ولید سے انتقام لینے کے درپے ہوگئے، انہوں نے ولید کے خلاف مہم شروع کر دی اور ایسے بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ کر لیا جن کو ولید یا عثمان غنی سے کد تھی، ولید پر شراب نوشی کی تہمت انہی لوگوں نے لگائی اور چونکہ ولید کے مکان پر پہرہ یا کوئی گیٹ نہ تھا اور ہر شخص کو ضرورت پڑنے پر اندر آنے کی اجازت تھی، یہ لوگ اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر اُن کی انگلی سے جب وہ سوئے ہوئے تھے وہ انگوٹھی نکال لے گئے جس سے سرکاری مہر لگائی جاتی تھی اور مشہور کیا کہ ولید کی بے ہوشی کے عالم میں ہم نے ایسا کیا ہے، مخالفت کی یہ مہم چلی ہوئی تھی کہ ولید کے پاس ایک جادوگر لایا گیا، ولید نے اس سے پوچھ گچھ کی تو اس نے اپنے جادوگر ہونے کا اعتراف کیا اور اس اعتراف کی تائید میں اس نے جادو کا یہ کرتب دکھایا کہ گدھے کی دم سے داخل ہوا اور اس کے منہ سے نکل آیا، ولید نے فقیہ عبداللہ بن مسعود سے جو کوفہ

میں معلم قرآن تھے رجوع کیا تو انہوں نے جادوگر کو قتل کرنے کا فتویٰ دیا، اس فتوی پر عملدآمد نہیں ہوا تھا کہ یہ افواہ گرم ہو گئی کہ ولید جادوگر کا تماشا دیکھتا ہے، متقم گروہ کے ایک فرد نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا، اس کا نام جُندُب تھا اور اس کا لڑکا ان نقب زنوں میں میں سے تھا جن کو عثمانؓ نے قتل کرایا تھا، یہ جادوگر کے پاس گیا اور اس کو خوب مارا لیکن قبل اس کے کردہ جادوگر کا خاتمہ کردے اس کو گرفتار کر لیا گیا، اس واقعہ کی رپورٹ ولید نے عثمان غنی کو بھیجی اور ان سے پوچھا کہ جُندُب کو کیا سزا دی جائے تو جواب آیا:-

"جُندُب سے حلف لو کہ اس کو اس بات کا علم نہ تھا کہ تم جادوگر کو سزا دینے کا فیصلہ کر چکے ہو نیز یہ کہ وہ سچے دل سے یہی سمجھتا تھا کہ جادوگر کو سزا نہیں دی جائے گی، پھر اس کو مناسب سزا دے کر چھوڑ دو، لوگوں کو تاکید کر دو کہ گمان اور ظن کی بنیاد پر کوئی کام نہ کریں (اور قانون اپنے ہاتھ میں نہ لیں) کیونکہ ہم خود مجرم اور قاتل کو سزا دیں گے۔"[1]

۱۶- اہلِ کوفہ کے نام

بظاہر یہ خط بھی ایک جادوگر کے بارے میں ہے، راوی نے اس کے کرتبوں کے لئے سحر کی جگہ لفظ نیرنج (نیرنگ) استعمال کیا ہے جس کے معنی شعبدہ بازی، نظر بندی اور کبھی جادو کے بھی آتے ہیں، ممکن ہے یہ شخص جادوگر نہ ہو بلکہ محض نظر اور ہاتھ کے کرتب دکھاتا ہو، اسناد اس کی اور متذکرہ بالا خط کی بالکل ایک ہے اور دونوں کا زمانۂ نگارش بھی قریب ہے لیکن دونوں کا مضمون بالکل مختلف ہے، پہلے خط کے ضمن میں جادوگر کا نام نہیں دیا گیا لیکن اس خط کے مقدمہ میں شعبدہ باز کے نام کی تصریح کر دی گئی ہے، خط کا سیاق و سباق اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ عثمان غنیؓ کو خبر ملی کہ کعب بن ذی الحبکہ نامی ایک شخص نیرنگ کرتا ہے، انہوں نے ولید بن عقبہ کو لکھا کہ کعب سے استفسار کیا جائے اور اگر وہ شعبدہ باز ہونے کا اقرار کرے

---

[1] سیف بن عمر- تاریخ الامم ۵/۶۱۔

تو اس کو سخت سزا دی جائے، ولید نے کعب کو بلا کر انکوائری کی تو اس نے کہا: میں جادو نہیں کرتا، ہاتھ کی صفائی اور کرتب دکھاتا ہوں جس سے لوگ خوش ہوتے ہیں اور ان کا دل بہلتا ہے، تاہم کعب کو مناسب سزا دے دی گئی۔ اس واقعہ کے چند روز بعد عثمان غنی کا یہ فرمان موصول ہوا۔

"آپ کے سامنے سنجیدہ زندگی کا نمونہ پیش کیا گیا ہے، اس لئے سنجیدگی سے رہیئے اور مسخروں سے بچیئے۔"[1]

۱۷۔ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح

۲۵ھ اور بقول بعض ۲۷ھ میں جب عمرو بن عاص نے مصر کی گورنری سے استعفا دے دیا تو عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن سعد کو جو عمرؓ کے زمانہ سے مصر کے وزیر مالیات تھے گورنر مقرر کر دیا۔ ۲۲ھ میں عمرو بن عاص نے مصر کی غربی سرحد محفوظ کرنے کے لئے ساحل سمندر سے متصل اس وسیع ملک پر جو طرابلس تک پھیلا ہوا تھا اور جس کے حدود قریب قریب وہی تھے جو عصر حاضر میں لیبیا کے ہیں بذریعہ معاہدہ قبضہ کر لیا تھا، یہ بازنطینی حکومت کا صوبہ تھا، اس سے متصل مغرب میں تا ساحل سمندر ایک اور بازنطینی صوبہ تھا جس کو افریقیہ کہتے تھے اور جس پر موجودہ تونس، الجیریا اور مراکش کا اطلاق ہو سکتا ہے، عمرو بن عاص اسکندریہ سے کوئی ڈیڑھ ہزار میل دور آ چکے تھے لیکن ان کے حوصلے اب بھی جوان تھے اور وہ افریقیہ کو بھی مسخر کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اس کی اجازت مانگی لیکن عمر فاروقؓ نے اجازت نہ دی اور لکھا:۔

"افریقیہ اختلاف و نزاع کا ملک ہے، یہاں کے لوگ غدار ہیں، میں جب تک زندہ ہوں اس پر کوئی فوج کشی نہیں کر سکتا۔"[2]

عثمان غنی نے خلیفہ ہو کر عربوں میں حربیت، تشتت اور افتراق کا بڑھتا ہوا رجحان

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۱۳۰ [2] فتوح مصر ابن عبدالحکم ص۱۷۳۔

دیکھا جس کی ایک اہم وجہ فرصت اور بے عملی تھی تو انھوں نے ان کو مصروف و مشغول رکھنے کے لئے جہاد اور فتوحات کا ایک منصوبہ بنایا، اس منصوبہ میں افریقیہ (تونس، الجیریا اور مراکش) کی فتح بھی شامل تھی، عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح مصر کے گورنر ہوئے تو عثمان غنیؓ نے ان کو افریقیہ پر فوج کشی کرنے کو لکھا اور اس مہم کے لئے مدینہ سے فوج بھیجنے کا بھی وعدہ کیا مختلف دقتوں کی بنا پر عبداللہ خلیفہ کی خواہش کو عملی جامہ نہ پہنا سکے، عثمان غنیؓ سے زیادہ نہ رکا گیا اور انہوں نے عبداللہ میں حرارتِ عمل پیدا کرنے کے لئے ایک طرف مدینہ سے کافی فوج بھیج دی، جس میں صحابہ کے علاوہ صحابہ کے لڑکوں اور اقارب کی خاصی تعداد تھی اور دوسری طرف انہوں نے عبداللہ کو خمس (مالِ غنیمت کا پانچواں حصہ جو مرکز کے لئے مخصوص تھا) کا خمس بطور انعام دینے کا وعدہ کیا، عبداللہ کافی بڑی فوج لے کر روانہ ہوئے اور افریقیہ کے بازنطینی گورنر کو شکست دی، مالِ غنیمت کے چار حصے فوج نے آپس میں بانٹ لئے اور پانچواں حصہ حکومت مدینہ کے لئے الگ کر دیا گیا، خمس کا خمس عبداللہ بن سعد بن ابی سَرح نے خود لے لیا جیسا کہ عثمان غنیؓ نے ان سے وعدہ کیا تھا، یہ بات فوج کو ناگوار ہوئی اور خاص طور سے مدینہ سے آئے لوگوں نے اس کو زیادہ محسوس کیا کیونکہ عبداللہ عثمان غنیؓ کے رضاعی بھائی تھے اور یہ بات پہلے سے مدینہ کے لوگوں کو کھٹک رہی تھی کہ عثمان غنیؓ کنبہ پروری سے کام لے رہے ہیں۔ عبداللہ نے پانچواں حصہ لے کر باقی خمس اور ایک وفد فتح کی رپورٹ دینے مدینہ بھیجا، وفد نے عبداللہ کی شکایت کی اور خمس الخمس لینے پر اعتراض کیا، عثمان غنیؓ نے کہا: میں نے افریقیہ پر فوج کشی کرنے کی صورت میں عبداللہ کو یہ حصہ بطور انعام دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر آپ لوگوں کو ناگوار ہو تو میں ان سے یہ حصہ واپس لے لوں گا، وفد نے کہا: واقعی ہم کو ناگوار ہے، آپ یہ عطیہ ان سے واپس لے لیجئے اور چونکہ وہ ہماری اس شکایت سے ناراض ہو کر ہم کو یقیناً نقصان پہنچانا چاہیں گے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ آپ ان کو افریقیہ سے ہٹا لیں۔ عثمان غنیؓ نے ان کے دونوں مطالبے مان لئے اور عبداللہ کو یہ خط بھیجا:

"افریقیہ پر کسی ایسے شخص کو جو تمہارے خیال میں مناسب ہو اور جس پر مسلمانوں کو بھی اعتماد ہو، گورنر مقرر کر دو اور خمس کا پانچواں حصہ جو میں نے تم کو بطور انعام دیا تھا، غریبوں میں تقسیم کر دو، میرے اس فعل سے مسلمان ناخوش ہیں"[1]

اس سلسلہ میں ایک دوسری اور زیادہ مشہور لیکن ضعیف روایت یہ ہے کہ عثمان غنیؓ نے خمس افریقیہ اپنے سکریٹری اور داماد مروان بن حکم کو عطا کیا تھا، اس روایت پر ہم مقدمہ میں جہاں عثمان غنیؓ پر اعتراضات کا جائزہ لیا گیا ہے، تبصرہ کر چکے ہیں، رہی پہلی روایت جس کے بموجب عثمان غنیؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو خمس الخمس عطا کیا تھا تو اگر یہ صحیح بھی ہو تو اس کی نظیر عمر فاروقؓ کے عہد میں موجود تھی اور یہ کوئی منفرد اور غیر مسنون سانحہ نہیں تھا۔ عمر فاروقؓ نے ایک سردار اور صحابی جریر بن عبداللہ بجلی اور ان کے قبیلہ کو عراق کی جنگ بویب میں شرکت کی ترغیب کے لئے خمس کا چوتھا حصہ پیش کیا تھا اور ایک قول یہ ہے کہ ترغیبی پیشکش کل مزروعہ عراق (سواد) کے چوتھائی حصہ پر مشتمل تھی، نیز یہ کہ جریر عملاً تین سال تک اس حصہ کا لگان بھی وصول کرتے رہے تھے[2]۔

۱۸۔ عبداللہ بن ابی سرح کے نام

خط نمبر ۱۷ اور اُس کا سیاق و سباق سیف بن عمر کی روایت پر مبنی ہے، فتوح ابن اعثم کے راوی بالکل مختلف سیاق و سباق پیش کرتے ہیں اور ایک ایسا خط جو سیف کے خط سے قطعاً میل نہیں کھاتا، ہمارے خیال میں ابن اعثم کی رپورٹ زیادہ مستند اور لائق اعتماد ہے، اس کے مطابق افریقہ پر حملہ کی خواہش عثمان غنیؓ نے نہیں بلکہ خود عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کی تھی، جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے عبداللہ کا تعلق بنی اُمیہ سے تھا اور جس طرح بنو امیہ اور بنو ہاشم کے درمیان رقابت و منافست کی

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۴۹۔ [2] الکتفار کلاعی بلنسی قلمی دار الکتب قاہرہ ص۲۹۹ و فتوح البلدان ص۲۶۶۔ ۲۶۸ و کتاب الاموال قاسم بن سلام مصر ص۶۱۔

کی روح کارفرما تھی اسی طرح بنو اُمیہ کے ممتاز گھرانوں میں بھی ایک دوسرے سے پیش قدمی کا جذبہ نہایت طاقتور تھا، عثمان غنیؓ کی خلافت کے تیسرے چوتھے سال گورنر شام امیر معاویہ نے بحرِ متوسط کے کئی جزیرے فتح کر لئے تھے اور حال میں ان کی فوجیں بازنطینی پایہ تخت قسطنطنیہ تک بڑھ گئی تھیں، ان فتوحات اور عسکری کارروائیوں میں بہت سامالِ غنیمت ان کے ہاتھ لگا تھا، دوسری طرف گورنر کوفہ ولید بن عُقبہ نے آذربیجان اور آرمینیہ میں ترکتازی کر کے عربی قلمرو کا دائرہ بڑھا دیا تھا اور بڑی مقدار میں مالِ غنیمت سے بہرہ در ہوئے تھے اپنے خاندانی حریفوں کی ان کارروائیوں کو دیکھ کر عبداللہ بن سعد کیسے خاموش بیٹھتے، انہوں نے افریقہ (تونس، الجیریا اور مراکش) کو مسخر کرنے اور وہاں سے مالِ غنیمت حاصل کرنے کا منصوبہ تیار کیا اور عثمان غنیؓ کو لکھا کہ یہ علاقہ بہت دولتمند ہے اور چونکہ یہاں کی حکومت کمزور ہے اس پر آسانی سے قبضہ کیا جاسکتا ہے، عثمان غنی ہچکچائے اور عبداللہ کو لکھا:-

> "افریقہ پر حملہ کرنا مناسب نہیں، امیرالمومنین عمرؓ کو میں نے کہتے سنا ہے کہ اپنے جیتے جی میں کسی مسلمان کو افریقہ پر حملہ نہ کرنے دوں گا، ان کو افریقہ پر فوج کشی ناپسند تھی اس لئے میں بھی ناپسند کرتا ہوں، میں نہیں چاہتا کہ مسلمان اس ساحلی علاقہ میں جا کر سرگرداں اور پریشان ہوں[۱]۔"

اس مراسلہ سے عبداللہ کی حوصلہ شکنی تو ضرور ہوئی لیکن انہوں نے فوج کشی کا ارادہ ترک نہیں کیا، کچھ دن خاموش رہ کر انہوں نے تونس پر ترکتازی کے لئے رسالے بھیجے جو بہت سامالِ غنیمت لے کر واپس ہوئے، عبداللہ نے خمس کے ساتھ مرکز کو ایک رپورٹ بھیجی جس میں تونس کی اس تازہ ترکتازی، وہاں کی دولت اور آسان فتح کا بڑے پرجوش انداز میں ذکر تھا، عثمان غنی کی ہمت بڑھ گئی، انہوں نے عبداللہ کو فوج کشی کی اجازت

---

[۱] فتوح ابن اعثم ورق ۲۷۶۔

دے دی اور مدینہ سے صحابہ اور ان کے جوان لڑکوں کا ایک بڑا دل بھی بھیجا، آنے والی جنگ میں جو مالِ غنیمت عربوں کے ہاتھ آیا اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ خمس نکالنے کے بعد بیس ہزار فوج کے ہر سوار کو پندرہ ہزار اور ہر پیادہ سپاہی کو پانچ ہزار روپے کا حصہ ملا، اس شکست سے بوکھلا کر افریقیہ کے رئیسوں نے عربوں سے یہ معاہدہ کرلیا کہ وہ ان کو سالانہ چھتیس لاکھ روپے دیا کریں گے اور عرب اپنے علاقہ کو لوٹ جائیں گے اور ان کے ملک پر حملہ نہیں کریں گے، یہ معاہدہ کرکے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح مصر واپس چلے آئے [۱]

۱۹۔ اندلس پر چڑھائی کرنے والے مجاہدوں کے نام

سیف بن عمر کی رائے ہے کہ اندلس عثمان غنیؓ کے زمانہ میں اور براہِ راست ان کے حکم سے فتح ہوا، زیادہ مقبول اور مستند قول یہ ہے کہ اس کو طارق نے ۹۲ھ میں فتح کیا تھا جب شمالی افریقہ پر عربوں کا اچھی طرح عمل دخل ہو گیا تھا، سیف بن عمر کا تعلق کوفہ کے ایک ایسے مدرسۂ تاریخ سے ہے جو سطحی اسلامی جوش اور عرب قومیت کے نشہ سے سرشار تھا، سیف کا انتقال ہارون الرشید کے عہد میں ۱۸۰ھ کے لگ بھگ ہوا، ردہ اور ابتدائی فتوحاتِ اسلام پر دو کتابوں کے مصنف بھی تھے جو خود تو ناپید ہو گئیں لیکن بعد کے مورخوں، بالخصوص ابوجعفر طبری نے ان سے خوشہ چینی کی ہے، سیف کے بیانات اگرچہ بالعموم مفصل اور مربوط ہوتے ہیں اور اس اعتبار سے دوسرے رُواۃ کی نسبت قاری کے لئے دلکش اور اطمینان بخش لیکن تحقیق کی میزان میں ان کا وزن ہلکا ہوتا ہے، ان پر مبالغہ، جھوٹ اور وضع کی ملمع کاری ہوتی ہے، ان کا مقصد عرب تاریخ میں عظمت اور شان پیدا کرنا ہوتا ہے، ہمارے خیال میں فتح اندلس سے متعلق سیف کی مجمل اور مبہم رپورٹ درست نہیں اور اس لئے اس سے متعلق خط بھی یقیناً جعلی ہے، یہ تو آپ خط نمبر ۱۷

[۱] معجم البلدان ۱/۳۰۱ و فتوح مصر ابن حکم ص۱۸۳۔

میں جس کی روایت بھی سیف کے مدرسہ کی طرف سے ہوئی ہے بڑھ چکے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے پاس خمس افریقہ جمع کرنے جو وفد آیا تھا اس نے عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کو شمالی افریقہ سے ہٹانے کی مانگ کی تھی جس کو عثمان غنیؓ نے منظور کر لیا تھا، عبداللہ شمالی افریقہ میں وہ نائب مقرر کر کے مصر واپس چلے گئے، ان کا نام عبداللہ بن نافع بن حُصَین اور عبداللہ بن نافع بن عبدالقیس ہے، یہ کون تھے؟ ہم نہیں بتا سکتے، رجال کی کتابوں میں ان کا کوئی ذکر نہیں، تابعی ہو سکتے ہیں لیکن خلفائے راشدین کے زمانہ میں کمانڈری اور گورنری بالعموم صحابہ کو دی جاتی تھی، عثمان غنیؓ نے اندلس پر چڑھائی کرنے کا دونوں کو حکم دیا اور ان مجاہدوں کے نام یہ مراسلہ بھیجا جو اس ڈیوٹی کے لئے منتخب کئے گئے تھے:۔

واضح ہو کہ قسطنطنیہ اندلس کی راہ سے فتح ہوگا، اگر تم نے اندلس سخر کر لیا تو تم فاتحین قسطنطنیہ کے اجر میں شریک ہو جاؤ گے، والسلام۔"[1]

۲۰۔ خط کی دوسری شکل

"واضح ہو کہ قسطنطنیہ براہ اندلس فتح ہوگا۔"[2]

۲۱۔ ابوموسیٰ اشعری کے نام

اسلام سے پہلے ابوموسیٰ اشعری تجارت کرتے تھے، وہ بحر قلزم کے ساحلی مقامات، جزیروں اور ملک حبش کا سفر بھی کر چکے تھے، سیاحت اور تجارت سے ان کا ذہنی افق وسیع ہو گیا تھا اور دنیوی معاملات کی سوجھ بوجھ پیدا ہو گئی تھی، سنہ۱۰ھ میں ان کو رسول اللہؐ نے یمن کے چند ضلعوں میں اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا اور عمر فاروقؓ نے سنہ۱۷ھ میں ان کو بصرہ کا گورنر مقرر کیا، سنہ۱۷ھ سے سنہ۲۳ھ تک جب عمر فاروقؓ کا انتقال ہوا وہ اسی عہدہ پر فائز رہے اور اس اثنا میں کئی بار فوجیں لے کر خوزستان اور فارس میں فتوحات کے لئے بھی گئے، چونکہ پرانے تجربہ کار اور کارگذار صحابی تھے، عثمان غنیؓ نے خلیفہ ہو کر ان کو برقرار

---

[1] سیف بن عمر۔ تاریخ الامم ۵/۵۰۔ [2] تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۳۶۔

رکھا اور سنہ ۲۴ھ سے سنہ ۲۹ھ تک وہ حکومت بصرہ کے سربراہ رہے، سنہ ۲۹ھ میں خوزستان کے کُردوں نے بغاوت کی تو انہوں نے جہاد کا اعلان کر دیا اور بصریوں کو پاپیادہ اس مہم پر جا کر عند اللہ ماجور ہونے کی ترغیب دی، اُن میں سے کچھ بخوشی اور کچھ بادلِ ناخواستہ پیدل جانے پر راضی ہو گئے لیکن چلتے وقت جب انہوں نے دیکھا کہ گورنر کا ساسان چالیس خچروں پر لدا ہوا ہے تو وہ بہت برہم ہوئے، اُن کی طرف سے ایک گروہ کے دل میں پہلے ہی سے کدورت موجود تھی، یہ لوگ ایک وفد لے کر عثمان غنیؓ کے پاس گئے اور کہا کہ "ابوموسیٰ کو معزول کر دیجیے، ہم ان سے عاجز آ گئے ہیں، وہ بڑے کنبہ پرور اور قبیلہ نواز ہیں" وفد کی خواہش تھی کہ کوئی جوان گورنر بنے تاکہ اس کو اپنے اثر میں رکھ سکیں اور وہ حکومت کے معاملات میں ان کا دست نگر رہے، عثمان غنی نے ان کی عرضداشت منظور کی اور عبداللہ بن عامر کو گورنر مقرر کیا، عبداللہ پچیس سالہ جوان اور عثمان غنی کے ماموں زاد بھائی تھے، یہ کوئی بڑے مدبر تو نہ تھے لیکن ان کے مزاج میں نرمی اور فیاضی بے حد تھی اور یہ وہ صفات تھے جن کو عربوں میں بڑی مقبولیت حاصل تھی، اس موقع پر عثمان غنیؓ نے ابوموسیٰ اشعری کو یہ مراسلہ بھیجا:-

"میں تم کو نااہلی یا بددیانتی کی وجہ سے برطرف نہیں کر رہا ہوں، مجھے معلوم ہے کہ تم کو رسول اللہ، ان کے بعد ابوبکرؓ اور پھر عمرؓ نے عہدے دیئے تھے میں تمہاری اعلیٰ خدمات سے واقف ہوں، مجھے اس بات کا بھی پورا شعور ہے کہ تمہارا تعلق مہاجرین اولین میں سے ہے، تم کو ہٹانے کی وجہ یہ ہے کہ میں عبداللہ بن عامر سے اپنا رشتہ بنانا چاہتا ہوں، میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ وہاں پہنچ کر تم کو پندرہ ہزار روپے کا عطیہ دیں"[۱]

اس خط کو پڑھ کر قارئین حیران ہوں گے کیونکہ اس میں اور اس کے مقدمہ میں لکھا ہوا

---

[۱] طبقات ابنِ سعد ۵/۳۱۔

تناقض ہے، مقدمہ میں ابو موسیٰ اشعری کی برطرفی کا سبب اہلِ بصرہ کی شکایت بتائی گئی گئی ہے اور خط میں قرابت داری کو اس کا محرک قرار دیا گیا ہے، تناقض کی وجہ یہ ہے کہ خط اور مقدمہ کے راوی اور ماخذ الگ الگ ہیں اور جیسا کہ قارئین کو معلوم ہے اختلافِ رُواۃ سے عربی تاریخ و حدیث میں ایک ہی مضمون کبھی اپنے لفظ اور اسلوب کبھی تفصیلات اور کبھی مرکزی خیال میں بدل جاتا ہے، مقدمہ ابن جریر طبری نے اپنی تاریخ[1] میں بیان کیا ہے اور خط ابنِ سعد نے طبقات میں، ہمارا خیال ہے کہ ابو موسیٰ اشعری کی معزولی کا اصلی سبب وفد بصرہ کی شکایت ہی تھی، رہا خط تو وہ غالباً عثمان غنی کے مخالفوں نے توڑ مروڑ کر پیش کیا ہے۔

۲۲۔ عبداللہ بن عامر کے نام

عثمان غنی کے عہد میں پہلی بار دنیائے اسلام میں مہمان خانے قائم ہوئے، عراق، شام اور جنوب غربی ایران میں فتوحات کے بعد امن و قرار کا ماحول پیدا ہو گیا تھا اور مسلم و غیر مسلم ایک جگہ سے دوسری جگہ بسلسلۂ تجارت و ملاقات آنے جانے لگے تھے، ان لوگوں میں بہت سے ایسے تھے جن کے عزیز یا ہم قبیلہ پردیسوں میں پہلے سے آباد تھے اور یہ لوگ ان کے ہاں قیام کیا کرتے، لیکن ایسے افراد کی تعداد بھی کم نہ تھی جن کا پردیسوں میں کوئی رشتہ دار یا دوست شناسا نہ ہوتا، ان لوگوں کو وہاں پہنچ کر خوب پریشانی اٹھانی پڑتی، مہمان خانوں کی ابتدا ہمارے مورخوں نے اس طرح بیان کی ہے کہ کوفہ میں جب کوئی قافلہ آتا تو وہاں کے کچھ خیر اندیش لوگ منادی کراتے کہ جن لوگوں کے عزیز و اقارب نہ ہوں وہ ہمارے ہاں آکر ٹھہریں[2]، ان لوگوں نے شہر میں کئی جگہ مکان لے لئے تھے، جہاں پردیسیوں کو ٹھہرایا جاتا تھا، یہ ۳۵ھ کے لگ بھگ کا واقعہ ہے، عثمان غنیؓ کو جب معلوم ہوا کہ کوفہ میں مہمان خانے کھولے گئے ہیں تو ان کو یہ اقدام پسند آیا

---

[1] ۵/۵۴ — ۵۵ [2] تاریخ الامم ۵/۵۹ — ۶۰۔

اور انہوں نے مدینہ کے مسافروں اور سرکاری عملہ کے لیئے اکثر صدر مقاموں میں ڈاک بنگلے بنوا دیئے، ذیل کا خط اسی موضوع پر ہے :-

"بصرہ میں ایک مہمان خانہ بنواؤ جس میں مدینہ کے مسافر اور ہمارے موالی (جو تجارت وغیرہ کے لئے جاتے ہیں) قیام کر سکیں"[1]

یہ حکم پا کر ابن عامر نے جن کو رفاہی کاموں سے خاص دلچسپی تھی ایک ہی جگہ آمنے سامنے دو مہمان خانے بنوائے، جن میں سے ایک کا نام قصرِ عثمان تھا اور دوسرے کا قصرِ ملہ۔[2]

۲۳۔ عبد اللہ بن مسعود کے نام

ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ کے عہد میں جزیرہ نمائے عرب کے ہزاروں دیہاتی فوج میں بھرتی ہو گئے تھے، عمر فاروقؓ کے زمانہ میں یہ لوگ عراق و شام فتح کر کے بصرہ اور کوفہ میں آباد ہو گئے، جب کہیں بغاوت ہوتی یا نئی فتح کے لئے فوج بھیجی جاتی تو یہ لوگ باری باری سے جایا کرتے لیکن زیادہ تر ان کو فرصت ہی رہتی، حکومت کی طرف سے ان کا راشن اور تنخواہ مقرر تھی، فرصت اور فراغبالی انسان کے دو دست نما دشمن ہیں ان کو پا کر کچھ لوگ عیاش ہو جاتے ہیں اور کچھ مفسد، اجتماعی صلاح و توازن کے لئے فراغبالی کے ساتھ فرصت کا جوڑا اکثر مضر ثابت ہوتا ہے جیسا کہ عربوں کے معاملہ میں ہوا عثمان غنی کے خلاف جو تحریک اٹھی وہ فراغبالی کے ساتھ فرصت ہی کی مرہون تھی، رسول اللہؐ جو یہ نکتہ سمجھتے تھے کبھی کبھی اپنے ساتھیوں سے کہتے کہ میں تمہارے فقر سے زیادہ تمہاری خوشحالی سے خائف ہوں اور جب وہ حیرانی سے پوچھتے یہ کیوں تو وہ کہتے: اس لئے کہ خوشحالی آتے ہی تم آپس میں لڑنے لگو گے"۔ فرصت کے اوقات میں بصرہ اور کوفہ کے فوجی عرب اکثر ٹولیاں بنا کر مل بیٹھتے اور حالاتِ حاضرہ پر گفتگو، تبصرہ اور نقد کیا کرتے، یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یمامہ کے قبیلہ بنو حنیفہ کا ایک لیڈر مسیلمہ تھا جو رسول اللہؐ کے مقابلہ میں نبی

---

[1] تاریخ الامم ۵/۵۹-۶۰۔ [2] معجم البلدان ۷/۹۸۔

بن بیٹھا تھا اور جس کی نبوت بنو حنیفہ نے تسلیم کر لی تھی، یہ لوگ ابوبکر صدیقؓ کے زمانہ میں اس جوش اور لگن سے لڑے تھے کہ اسلامی فوج کا بیشتر حصہ مارا گیا تھا، بنو حنیفہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان میں ایسے افراد اب تک موجود تھے جو مسیلمہ کو عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے، عبداللہ بن مسعود کو جو کوفہ میں سرکاری معلم قرآن تھے معلوم ہوا کہ بنو حنیفہ کی ایک جماعت مسیلمہ کے مناقب بیان کرتی ہے اور اس کی نبوت کی معترف ہے، انہوں نے اس گروہ کو گرفتار کر لیا اور مرکز سے ان کی شکایت کی تو یہ فرمان آیا۔

"ان لوگوں کو دینِ اسلام اور کلمۂ شہادت کی دعوت دو، جو اس دعوت کو مان لے اور مسیلمہ کی نبوت سے توبہ کر لے اس کو چھوڑ دو اور جو ایسا نہ کرے اور مسیلمہ کا قائل رہے اُس کو قتل کر دو[1]۔"

۲۴۔ عبداللہ بن مسعود کے نام

اپنی امارت کوفہ کے زمانہ میں ولید بن عقبہ کو روپے کی ضرورت ہوئی، خزانہ کے نگراں عبداللہ بن مسعودؓ تھے، ولید نے ان سے روپیہ قرض لیا اور ایک وقت مقررہ پر واپس کرنے کا وعدہ کر لیا، یہ کوئی نئی بات نہ تھی، مسلم عرب حکام اپنی ذاتی ضرورت کے لئے خزانہ سے برابر قرض لیا کرتے تھے اور بعد میں ادا کر دیتے تھے، ابوبکر صدیقؓ، عمر فاروقؓ عثمان غنیؓ سب وقتاً فوقتاً بیت المال سے قرضے لیتے رہتے تھے، عمر فاروقؓ کا جب انتقال ہوا تو ان پر بیت المال کا تینتالیس۴۳ ہزار روپئے (چھیاسی ہزار درہم) قرضہ تھا جو اُن کی جائداد سے ادا کیا گیا، کسی مجبوری کے باعث ولید مقررہ میعاد پر قرضہ ادا نہ کر سکے تو عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے تقاضہ کیا، ولید نے معذرت کی اور کہا ابھی روپے کا بندوبست نہیں ہوا، پھر دے دوں گا، عبداللہ بن مسعود بگڑ گئے اور دونوں میں بدکلامی ہوئی، ولید کو قدرتی طور پر عبداللہ بن مسعودؓ کی سختی ناگوار گذری کیونکہ وہ گورنر تھے اور نگرانِ خزانہ

---

[1] سنن کبریٰ بیہقی ۸/۲۰۱ و کنز العمال ۱/۹۷، ۸۰ ۔ تھوڑے سے فرق کے ساتھ۔

اصولاً ان کا ماتحت، ولید نے وہ ترش باتیں جو عبداللہ بن مسعود نے کی تھیں عثمان غنی کو لکھ بھیجیں، وہ آزردہ ہوئے اور یہ عتاب آمیز خط عبداللہ کو لکھا :-

"واضح ہو کہ تم ہمارے خزانچی ہو لہٰذا اس روپے کے بارے میں ولید کو پریشان نہ کرو جو انہوں نے بیت المال سے لیا ہے"[۱]۔

عبداللہ بن مسعود خط پڑھ کر سخت برہم ہوئے، خزانہ کی چابیاں لیں اور ولید کے سامنے لے جا کر پھینک دیں اور بولے: "میں سمجھتا تھا کہ میں مسلمانوں کا خزانچی ہوں مجھے تمہارا خزانچی نہیں بننا ہے!" اس واقعہ نے عثمان غنیؓ کے ساتھ عبداللہ کی وفاداری پر کاری ضرب لگائی اور وہ عثمان غنی اور ان کی حکومت کے بداندیش ہو گئے۔

۲۵- ولید بن عقبہ کے نام

کوفہ میں عثمان غنیؓ کے مخالفوں میں تین قسم کے لوگ تھے: ایک وہ جن کو اُن سے ذاتی پرخاش تھی دوسرے وہ جو اُن کے گورنروں سے ناخوش تھے اور تیسرے وہ جو اُن کو معزول کر کے علی حیدرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے، اس تیسرے گروہ میں سب سے پہلے جن لوگوں نے عثمان غنیؓ کے خلاف اور علی حیدرؓ کے حق میں پبلک ایجی ٹیشن شروع کیا وہ کوفہ کے دو عرب تھے، عمرو بن زُرارہ نخعِی اور کمیل بن زیاد نخعِی، ان دونوں کے باپ صحابی تھے، ایک دن گورنر کوفہ ولید بن عقبہ کو خبر ہوئی کہ عمرو بن زُرارہ نخعِی نے عام جلسہ میں عثمان غنیؓ کو بُرا بھلا کہا اور علی حیدرؓ کی منقبت بیان کر کے لوگوں سے اپیل کی کہ ان کو خلیفہ بنانے کی کوشش کریں، ولید نے عمرو بن زُرارہ کی بغاوت انگیز تقریر کی رپورٹ عثمان غنیؓ کو بھیجی تو یہ جواب آیا :-

"ابنِ زُرارہ ایک بیہودہ بدو ہے، اس کو کوفہ سے جلاوطن کر کے شام بھیج دو"[۲]۔

---

[۱] ابو مخنف - انساب الاشراف ۳۰/۵ -

[۲] انساب الاشراف ۳۰/۵ -

۲۶۔ عثمان بن ابی العاص ثقفی کو دستاویز

عثمان بن ابی العاص ثقفی طائف کے ایک تاجر کے بیٹے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ان میں صلاحیت دیکھ کر طائف کی گورنری ان کو سونپ دی تھی، اس عہدہ پر وہ پانچ چھ سال فائز رہے، باحوصلہ آدمی تھے، ترقی کے آرزومند، عمر فاروقؓ نے ان کو بحرین وعُمان اور بقول بعض بحرین و یمامہ کا گورنر مقرر کیا، خلیج فارس کا جنوبی ساحل بحرین کہلاتا تھا، اس پر اسلامی حکومت قائم ہو چکی تھی، شمالی ساحل پر ساسانیوں کی حکومت تھی، عثمان ثقفی نے ایک بیڑہ تیار کر کے شمالی ساحل پر فوجیں اُتار دیں اور چند شہروں پر قابض ہو گئے انہوں نے یہاں کئی فوجی اڈے بنائے جہاں سے اندرون ساحل کے شہروں پر چڑھائی کیا کرتے تھے، خلیج فارس کا یہ شمالی ساحل ساسانی حکومت کے صوبۂ فارس کا حصہ تھا، اس کی حدیں مشرق میں کرمان اور مغرب میں خوزستان (اہواز) سے ملی ہوئی تھیں، صوبۂ فارس میں پہاڑ، دریا اور قلعے بہت تھے، اس وجہ سے یہاں تسخیر کا کام بہت دشوار تھا، تاہم عثمان ثقفی برابر آگے بڑھتے رہے حتیٰ کہ وسط صوبہ تک پہنچ گئے اور اگلے چند سال میں انہوں نے اس کا بیشتر حصہ فتح کر لیا، غالباً ۲۹ھ میں ان کو عثمان غنیؓ نے معزول کر دیا، معزولی کے صحیح اسباب ہمیں معلوم نہیں لیکن قرائن سے اندازہ ہوتا ہے کہ بصرہ کے نئے گورنر عبداللہ بن عامر بن کُریز کے اشارہ سے ایسا کیا گیا، عبداللہ اسی سال یا کچھ پہلے گورنر ہوئے تھے، نوعمر اور بھا اُمنگ آدمی تھے، ان کی تمنا تھی کہ مملکتِ فارس کے غیر مقبوضہ علاقوں کی فتح کا سہرا ان ہی کے سر بند ھے، معزولی کے بعد عثمان ثقفی بصرہ میں آباد ہو گئے۔

مدینہ میں عمر فاروقؓ نے مسجد نبوی سے قریب عثمان ثقفی کے لئے ایک مکان خریدا تھا، ۱۷ھ میں شام سے لوٹ کر جب انہوں نے مسجد کی دیواریں پکی کرائیں اور اس کا رقبہ بڑھایا تو یہ مکان مسجد سے بے حد قریب ہو گیا، ۲۹ھ میں عثمان غنیؓ نے مسجد کی

توسیع و تجدید کرائی تو عثمان ثقفیؓ کا مکان اس میں ضم کر دیا گیا۔ عثمان غنیؓ بے حد فراخ دل آدمی تھے، انہوں نے عثمان ثقفیؓ کے دوہرے خسارہ (معزولی و مکان) کے لئے بصرہ کے پاس ان کو کافی جائداد اور اراضی عطا کی جس کا اندازہ ہمارے بعض مورخین دس ہزار جریب[1] لگاتے ہیں، اس عطیہ کی انہوں نے ایک دستاویز کے ذریعہ توثیق کی جیسا کہ ابھی آپ پڑھیں گے اور اپنے گورنر بصرہ عبداللہ بن عامر کو لکھا کہ حسب دستاویز عثمان ثقفیؓ کو اراضی دے دیں۔

دستاویز

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، عبداللہ عثمان امیر المومنین کی طرف سے عثمان بن ابی العاص ثقفیؓ کو یہ دستاویز دی جاتی ہے کہ میں نے تم کو مندرجہ ذیل جائداد و اراضی دی ہے: (۱) شط (۲) اُبلہ کے سامنے والا مقابلہ نامی گاؤں (۳) وہ گاؤں (جو پہلے زیرِ آب تھا لیکن جس کو (ابو موسیٰ) اشعری نے قابلِ کاشت بنا لیا تھا) (۴) شط کے سامنے والی زیرِ آب اراضی و جنگلات، جزائر اور دبر جابلہ کے مابین ان دو قبروں تک جو اُبلہ کے بالمقابل واقع ہیں۔

میں نے عبداللہ بن عامر کو ہدایت کر دی ہے کہ تم کو اتنی اراضی دے دیں جتنی تم سمجھتے ہو کہ تم اور تمہارے لڑکے درست کر کے قابلِ کاشت بنا لیں گے یا تمہارا کوئی بھائی جس کو تم اس کا کچھ حصہ دینا چاہو، اگر اس اراضی کا کوئی حصہ تم ٹھیک نہ کر سکو تو امیر المومنین کو حق ہوگا کہ وہ کسی ایسے شخص کو دے دیں جو اس کو درست کرا سکے، یہ اراضی اور جائداد میں نے تم کو اس زمین (مکان) کے عوض دی ہے جو مدینہ میں (توسیع مسجد کے لئے) میں نے تم سے لی ہے اور جس کو امیر المومنین عمرؓ نے تمہارے لئے خریدا تھا، اس جائداد اور اراضی کی جتنی قیمت تمہارے مکان کی قیمت سے زیادہ ہو وہ میری طرف سے

---

[1] ایک جریب لگ بھگ ڈیڑھ سو مربع گز۔

ہے تمہاری معزولی کی مکافات کے طور پر۔

"میں نے عبداللہ بن عامر کو لکھ دیا ہے کہ اراضی کی اصلاح کے کام میں تمہارے ساتھ تعاون کریں، خدا کا نام لے کر اس کی اصلاح میں لگ جاؤ"[۱]

یہاں شَطّ، اُبُلّہ، جَزّارہ اور دیر جابِل وضاحت کے محتاج نہیں۔

شط سے مراد وہ ساری پُر دلدل اور زیرِ آب اراضی ہے جو دِجلہ۔فُرات کے جنوبی دہانہ پر اُبلّہ سے متصل بصرہ کی سمت میں لیکن بصرہ سے بارہ تیرہ میل اوپر واقع تھی۔

اُبُلّہ، دِجلہ۔فُرات کے دہانہ میں ایک بڑا بندرگاہ تھا جہاں سندھ، ہند، لنکا، انڈونیشیا اور ملایا وغیرہ سے براہِ آب اور مصر، شام، عراق، آسیا صغریٰ اور فارس سے براہ خشکی سامانِ تجارت آتا جاتا تھا، یہ بصرہ کے شمال مشرق میں چار فرسخ (لگ بھگ سترہ انگریزی میل) کے فاصلہ پر تھا، یہاں سے بصرہ تک ایک نہر تھی جس کو نہر اُبلہ کہتے تھے، اس نہر کا بقدر ایک فرسخ شمالی حصہ قدرتی تھا باقی تین فرسخ (چودہ انگریزی میل) کھودا گیا تھا۔

جَزّارہ: متن میں خَرّارہ ہے جو جزّارہ کی تحریف معلوم ہوتی ہے، اُبلّہ سے ایک فرسخ (۴½ انگریزی میل) جنوب میں بہ سمت بصرہ ایک کھاڑی تھی، اس کے سرے پر ایک لمبی چوڑی جھیل سی بن گئی تھی جس میں مد کے زمانہ میں سمندر کا پانی چڑھ آتا تھا، اس جھیل کو جَزّارہ یا اِجّانہ کہتے تھے، اس جھیل سے بصرہ تک ایک نہر (نہرِ اُبلّہ کا جنوبی حصہ) کھودی گئی جس کی لمبائی تین فرسخ تھی۔

دیر جابِل: یہ ایک گرجا تھا، اس کے جائے وقوع کی ہمارے ماخذوں نے کوئی مفید وضاحت نہیں کی، یاقوت کے بیان سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ

---

[۱] معجم البلدان ۲۶۶/۵ -

دجلہ-فرات کے جنوبی دہانہ پر واقع تھا اور یہاں سے بصرہ کی طرف ایک کھاڑی نکلتی تھی نیز یہ کہ اس کھاڑی سے عبداللہ بن عامر گورنر بصرہ نے ایک نہر کھدوائی تھی جس کو نہر نافذ کہتے تھے۔[۵]

۲۷- عبداللہ بن عامر بن کُریز کے نام

حُکیم بن جَبَلہ بصرہ کا ایک قبائلی لیڈر تھا، اُس کا تعلق قبیلہ عبدالقیس سے تھا جو اسلام سے پہلے خلیج فارس کے ساحل پر آباد تھا، اس ساحل کو بحرین کہتے تھے، یہاں بسنے والے قبیلوں کے بہت سے افراد بحری سفر کا تجربہ رکھتے تھے اور بحرین کے جہازوں کے ساتھ مکران، سندھ، کچھ، گجرات، مہاراشٹر، کرالا اور لنکا وغیرہ کا سفر کر چکے تھے، چنانچہ پہلی صدی ہجری میں جب عرب فوجیں مکران، بلوچستان، سندھ اور گجرات کی طرف بھیجی جاتیں تو عبدالقیس کے تجربہ کار اشخاص کو کمانڈر، رہبر اور کپتان کی حیثیت سے ان کے ساتھ کیا جاتا تھا، عبدالقیس کی ایک شاخ بصرہ میں آباد ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ حُکیم بن جَبلہ، ۲۹ھ میں بصرہ کے گورنر عبداللہ بن عامر نے عثمان غنیؓ کے اشارہ سے ایک کمیشن مکران اور سرحد سندھ کے حالات و وسائل کا جائزہ لینے بھیجا تو حُکیم کو اس کمیشن کا لیڈر مقرر کیا، حُکیم مکران تک آیا اور واپس جا کر خلیفہ کو مطلع کیا کہ وہ ایک بے آب و گیاہ وسائل سے محروم علاقہ ہے، بلوچ، جاٹ اور قفص ڈاکوؤں سے بھرا ہوا اور اس قابل نہیں کہ اس پر فوج کشی کی جائے، چنانچہ عثمان غنیؓ کے عہد میں مکران اور سندھ میں کوئی فوج نہیں بھیجی گئی۔[۶] آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ کچھ دن بعد ہی حُکیم نے عثمان غنیؓ کے مخالفوں کی صفِ اول میں جگہ لی اور ان کی حکومت کو اُلٹنے کے لئے جو تحریک چلی ہوئی تھی اس میں ہیرو کا پارٹ ادا کیا، عزت دولت، رسوخ و سربلندی کی اُمنگ اس مخالف تحریک کی روحِ رواں تھی، حُکیم بن جبلہ بھی

---

[۵] معجم البلدان ۲۶۵/۵-۲۶۶ و فتوح البلدان ص۳۵۹ و ۳۶۰ و ۳۶۴ و کتاب المعارف ص۱۱۶-۱۱۷ و استیعاب ۲۸۳/۲ و محبر ص۱۲۷

[۶] فتوح البلدان ص۴۳۳ و استیعاب ۱۲۱/۱-

عزت و سربلندی کا متوالا تھا، گورنر بصرہ ابن عامر بڑے فراخ دست اور مخیّر آدمی تھے، انہوں نے فلاحِ عام کے کام بھی کئے اور اپنی غیر معمولی فیاضی بلکہ فضول خرچی سے بصرہ کے مذہبی وقبائلی اعیان کو خوش رکھنے کی بھی کوشش کی، تاہم ایک ایسے شہر میں جہاں درجنوں قبیلے آباد تھے، جن کی تاریخ وروایات مختلف رہ چکی تھیں، جن کی امنگیں غیر متوازن تھیں اور ایک دوسرے سے متصادم بھی، سب کو خوش رکھنا ممکن نہ تھا، اس کے علاوہ مدینہ کی سیاسی پارٹیوں کے ایجنٹ اپنا کام کر رہے تھے اور نومسلم یہودی ابن سبا اپنا منتر پھونک کر بہت سے دلوں میں حکومت کے خلاف نفرت وبغاوت کے شعلے بھڑکا چکا تھا، گورنر بصرہ سے جب حکیم کی تمنائیں پوری نہ ہوئیں تو وہ مخالف کیمپ میں چلا گیا، وہ ابن سبا کا رازدار اور جوشیلا کارکن ہو گیا۔ شاید ابن سبا کے تخریبی مشورہ کا ہی یہ اثر تھا کہ حکیم ایک شریف آدمی کے مرتبہ سے ایک ڈاکو اور قزاق کی سطح پر آگرا، ہمارے رپورٹر بتاتے ہیں کہ جب وہ بصرہ کی فوجوں کے ساتھ کسی مہم سے لوٹتا تو سبائی ذہنیت کی ایک جماعت کے ساتھ فارس کے سرسبز دیہاتوں میں رک جاتا اور وہاں کے باشندوں کو لوٹ کھسوٹ کر واپس آجاتا، اس کی دست درازی کی شکایتیں ذمی اور مسلمان رعایا کی طرف سے خلیفہ کو موصول ہوئیں تو انہوں نے عبداللہ بن عامر کو لکھا:۔

"حکیم اور اس جیسے مفسدوں کو حراست میں لے لو اور جب تک اس کے چال چلن کی طرف سے اطمینان نہ ہو جائے اس کو بصرہ سے باہر نہ جانے دو۔"[1]

۲۸۔ مرکزی شہروں کے مسلمانوں کے نام

قرآن کب اور کس کے ہاتھوں مدون ہوا؟ اس سوال کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، ایک رائے یہ ہے کہ تدوینِ قرآن کا کام عمر فاروقؓ نے اپنے عہد خلافت میں کرایا اور اس کا محرک یہ ہوا کہ ایک بار انہوں نے کسی آیت کے بارے میں دریافت کیا تو ان کو

---

[1] سیف بن عمر تاریخ الامم ۹۰/۵ ۔

بتایا گیا کہ وہ آیت ایک صحابی کو یاد تھی جو جنگ یمامہ میں مارے گئے، عمر فاروقؓ نے إِنَّا لِلّٰہ پڑھی اور قرآن جمع کرنے کا حکم دے دیا، قرآن کا کافی حصہ رسول اللہؐ کے عہد میں مختلف چیزوں جیسے چمڑے، ہڈی اور کھجور کی ٹہنیوں پر لکھا ہوا موجود تھا اور کافی حصہ لوگوں کو یاد تھا، لکھا ہوا حصہ یک جا کر لیا گیا اور جو حفظ تھا اس کو لکھ لیا گیا، عمر فاروقؓ نے اعلان کیا کہ جس جس کو قرآن کی کوئی آیت یاد ہو وہ آکر لکھوا دے، لیکن انہوں نے یہ احتیاط برتی کہ فردِ واحد کی کوئی آیت اس وقت تک نہ لیتے جب تک دوسرا شخص شہادت نہ دے دیتا کہ اس نے بھی رسول اللہؐ سے وہ آیت سنی تھی، ایک قرآن کمیشن کی نگرانی میں جب سارا قرآن جمع ہو گیا تو اس کو ترتیب دے کر لکھوا لیا گیا، پھر اس کے چار نسخے تیار کرائے گئے، ایک کوفہ بھیج دیا گیا، دوسرا بصرہ، تیسرا شام اور چوتھا مدینہ میں رکھ لیا گیا۔[۱]

دوسری رائے یہ ہے کہ عمر فاروقؓ قرآن جمع کرنے اور لکھوانے سے ہنوز فارغ نہ ہوئے تھے کہ ان کے قتل کا واقعہ پیش آگیا، تاہم عثمان غنیؓ نے خلیفہ ہو کر یہ کام جاری رکھا، ان کی پالیسی بھی یہی تھی کہ شخص واحد کی کوئی آیت اس وقت تک قبول نہ کرتے جب تک دوسرا اس کی توثیق نہ کر دیتا۔[۲]

تیسری اور زیادہ مشہور، متداول اور غالباً صحیح رائے یہ ہے کہ قرآن کی تدوین و کتابت میں عمر فاروقؓ نے کوئی حصہ نہیں لیا، بلکہ یہ کام عثمان غنیؓ کے عہد میں مخصوص حالات کے زیر اثر عمل میں آیا، کب؟ بقول بعض سنہ ۲۵ھ میں اور بقول بعض سنہ ۳۰ھ میں، لیکن متعلقہ اقوال و روایات کے تتبع سے اس بات کا غالب قرینہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن جمع کرنے کا کام سنہ ۲۵ھ اور سنہ ۲۶ھ یا سنہ ۲۸ھ کے درمیان واقع ہوا۔

عمر فاروقؓ نے عرب چھاؤنیوں اور صدر مقاموں میں معلم قرآن مقرر کر دیے تھے جو سب کے سب صحابہ تھے، صحابہ کی جس طرح ذہنی و اخلاقی سطح ایک دوسرے سے

---

۱ کنز العمال ۱/۲۸۲۔ ۲ ایضاً۔

مختلف تھی اسی طرح ان کی یادداشت بھی ایک سی نہ تھی، چنانچہ کسی کو قرآن کی آیتیں اسی طرح یاد رہیں جیسا کہ رسول اللہؐ نے تلقین کی تھیں اور کسی کے حافظہ میں آیتوں کی ترتیب بدل گئی اور کہیں کہیں الفاظ بھی، زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ بڑے صحابہ کی الگ الگ قرأتیں مشہور ہو گئیں مثلاً مدینہ میں اُبَیّ بن کعب کی قرأت کو فہ میں عبداللہ بن مسعود کی قرأت ہر صحابی معلم کے شاگرد جب تک اپنے اپنے شہروں میں رہتے کوئی ہنگامہ نہ ہوتا لیکن جب وہ ملام پر جاتے جہاں مختلف چھاؤنیوں کی فوجیں جمع ہوتیں اور ایک کیمپ میں بود و باش کرتیں تو خطرناک صورت حال پیدا ہو جاتی، ہر چھاؤنی کے عرب نہ صرف اپنی قرأت پر فخر و ناز کرتے اور اپنے اپنے صحابی معلموں کو معصوم عن الخطا ٹھہراتے بلکہ دوسری قرأت کا مذاق اڑاتے اور کبھی نوبت یہاں تک پہنچ جاتی کہ دوسری قرأت والوں کو کافر قرار دے دیتے، اس قسم کی شکایتیں عثمان غنیؓ کے پاس آتی رہتی تھیں، دوسری طرف خود مرکز خلافت یعنی مدینہ قرأتی تعصب کی زد میں آیا ہوا تھا، ایک تابعی محدث ابو قلابہ (متوفی ۱۰۵ھ) بتاتے ہیں کہ عثمان غنیؓ کے زمانہ میں جو معلم بچوں کو قرآن پڑھاتے وہ بڑے صحابہ مثلاً اُبَیّ بن کعب، عبداللہ بن مسعود، علی بن ابی طالبؓ کے شاگرد تھے، ان صحابہ کی قرأت ایک دوسرے سے مختلف تھی، اس لئے معلم بھی بچوں کو مختلف قرأتوں میں قرآن پڑھاتے تھے، اختلاف قرأت سے بچوں کے گھر والے پریشان ہوتے اور معلموں سے اس کی شکایت کرتے تو ان میں سے ہر شخص اپنی قرأت کی تعریف اور دوسری قرأتوں کی تنقیص کرنے لگتا، یہ تھے وہ حالات جنہوں نے عثمان غنیؓ کو جمع قرآن اور اس کی تدوین کی طرف متوجہ کیا، یہ عظیم الشان کام جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کئی برس میں پایۂ تکمیل کو پہنچا، ایک قرآن کمیشن مقرر کیا گیا جس کا کام تھا (۱) قرآن کے بکھرے ہوئے اجزا، (مکتوب و محفوظ) کو یکجا کرنا (۲) تعدد قرأت کو ختم کر کے وحدت قرأت پیدا کرنا (۳) آیتوں کو مرتب کر کے سورتیں بنانا (۴) کل قرآن کو قلمبند کرنا۔ اس طرح جو قرآن تیار ہوا، عثمان غنیؓ

نے اس کے متعدد نسخے لکھوائے اور ہر چھاؤنی نیز صدر مقام کو فرمانِ ذیل کے ساتھ ایک ایک نسخہ بھیج دیا۔

"میں نے قرآن کے معاملہ میں ایسا ایسا کیا ہو (یعنی اختلافِ قرأت و ترتیب کو ختم کرنے کے لئے اس کو مدون کرنا پڑا ہے) اس کے جو اجزا میرے پاس تھے ان کو میں نے (دھوکر) مٹا ڈالا ہے، آپ کے پاس جو مجموعے ہوں اُن کو بھی (دھوکر) مٹا ڈالیں۔" [۱]

متن کے الفاظ ہیں: "انی صنعت کذا و کذا" ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ راوی کو خط کے صحیح الفاظ یاد نہیں تھے اس لئے اس نے جمع و تدوینِ قرآن کی طرف محض مبہم اشارہ کرنے پر اکتفا کیا، دوسری غلطی اس نے یہ کی کہ اپنے اس اشارہ کو عثمان غنیؓ کی طرف منسوب کر دیا۔

۲۹۔ ولید بن عُقبہ کے نام

عرب چھاؤنیوں اور صدر مقاموں میں قرآن کے جتنے نسخے مل سکے وہ سب حکومت کی زیر نگرانی جمع کر لئے گئے اور ان کو پانی اور سرکہ کے مرکب سے دھو ڈالا گیا حروف دھل گئے کاغذ بچ رہا، دوسری اور زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ نسخے جلا دیئے گئے، صرف ایک جگہ مذکورہ بالا فرمانِ ملافت کی مخالفت ہوئی اور وہ تھا کوفہ، یہاں آٹھ نو برس سے صحابی عبد اللہ بن مسعود معلمِ قرآن و قانونِ اسلام کے فرائض انجام دے رہے تھے، ان کے شاگردوں اور معتقدین کا حلقہ کافی بڑا تھا، سرکاری خزانہ کی نگرانی بھی ان کے سپرد تھی لیکن عثمان غنیؓ کے زمانہ میں وہ ناراض ہو کر اس سے دستبردار ہو گئے تھے عبد اللہ بن مسعود کو قرآن سے غیر معمولی شغف تھا، کہا جاتا ہے کہ انہوں نے خود قرآن جمع کیا تھا اور رسول اللہؐ کے سامنے اس کی تلاوت کر کے کئی بار تصحیح کر لی تھی، اُن

---

[۱] کنز العمال ۱/۲۸۲ و تاریخ کامل ابن اثیر ۳/۴۲۔

کو اپنے اس مجموعہ سے جذباتی لگاؤ تھا اور اس پر فخر کرتے تھے، یہ مجموعہ عثمان غنیؓ کے مرتب کردہ قرآن سے کس حد تک مختلف تھا یہ ہم نہیں بتا سکتے، البتہ اتنا معلوم ہے کہ اس کی ترتیب سرکاری قرآن سے مختلف تھی اور الفاظ میں بھی کہیں کہیں فرق تھا، خزانہ سے احتجاجی استعفاٰ دینے کے بعد عبداللہ بن مسعود کا دل عثمان غنی اور ان کی حکومت کی طرف سے مکدر ہو گیا تھا اور ان کی ہمدردیاں مخالف جماعت سے وابستہ ہو گئی تھیں، وہ خلیفہ اور ان کے گورنروں پر اعتراض کرتے تھے، جب ان سے گورنر ولید نے کہا کہ اپنا مجموعہ دے دیجئے اور آئندہ سرکاری قرآن کے مطابق تعلیم دیجئے تو وہ بہت برہم ہوئے اور اپنا مجموعہ دینے سے انکار کر دیا، تعلقات کشیدہ تو تھے ہی اور زیادہ کڑوے ہو گئے، عبداللہ بن مسعود کی زبانِ طعن کھل گئی، گورنر نے صورت حال سے مطلع کیا تو جواب آیا:۔

"اسلام اور مسلمانوں کو تباہی سے محفوظ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ عبداللہ بن مسعود کو یہاں بھیج دو۔"[1]

۳۰۔ خط کی دوسری شکل

"اگر عبداللہ لعن طعن چھوڑ دیں تو خیر ورنہ ان کو یہاں بھیج دو۔"[2]

۳۱۔ اکابر کوفہ کے نام

آپ اوپر پڑھ چکے ہیں کہ ولید بن عقبہ کی گورنری کوفہ کے زمانہ میں شہر کے چند نوجوانوں نے ایک شخص کے گھر میں نقب لگا کر اس کو قتل کر دیا تھا اور عثمان غنیؓ نے ان کو سزائے موت دی تھی جس کے نتیجہ میں ان کے بزرگ، احباب اور ہم قبیلہ ولید اور عثمان غنیؓ کے دشمن ہو گئے تھے اور ان سے انتقام لینا چاہتے تھے، ولید جیسا کہ ہم لکھ چکے ہیں تجربہ کار اور لائق حاکم تھے، انہوں نے گورنر ہو کر رواداری اور بے تعصبی سے حکومت کی اور خاص و عام سب کو خوش رکھنے کی کوشش کی، عام لوگ ان کے حسنِ سلوک سے خوش رہے

---

[1] تاریخ ابن واضح یعقوبی جلد ۲/۱۲۰ - [2] عیون الاخبار ۲/۲۸۰ -

لیکن بہت سے اکابر شہر ان سے کبیدہ خاطر ہو گئے، اس کے چند در چند اسباب تھے: ایک سبب یہ تھا کہ انہوں نے کسی ایک طبقہ، گروہ یا قبیلہ کو اپنے دربار میں مخصوص اعزاز یا رعایت نہیں دی تھی، دوسری وجہ یہ تھی کہ انہوں نے سرکاری آمدنی میں غلاموں اور لونڈیوں کا بھی حصہ مقرر کر دیا تھا اور تیسری وجہ یہ تھی کہ بڑے چھوٹے سب کو ان سے ملنے کی اجازت و آسانی تھی، اُن کے دروازہ پر نہ کوئی پہرہ تھا نہ روک ٹوک، ہر شخص ان سے مل کر اپنی شکایت اور مشکل پیش کر سکتا تھا، باریابی کی یہ آسانی و ارزانی بھی بڑے لوگوں کو کھٹکتی تھی اور اس کو وہ اپنی حق تلفی سمجھتے تھے، منتقم گروہ کو شہر کے کبیدہ خاطر اکابر کی اخلاقی تائید حاصل ہو گئی اور انہوں نے ولید اور عثمان غنیؓ کے خلاف ایک محاذ بنا لیا، انہوں نے پروپیگنڈہ کرنا شروع کیا کہ ولید شراب پیتے ہیں، ایک دن یہ لوگ کوفہ کے بعض اکابر سے ملے، جب وہ بڑی مسجد میں تھے اور کہا کہ اس وقت ولید اپنے ایک دوست کے ساتھ شراب نوشی میں مشغول ہے، ولید کا مکان بڑی مسجد سے متصل تھا، یہ اکابر بے درنگ اٹھ کھڑے ہوئے اور اچانک ولید کے کمرے میں داخل ہو گئے، ولید کے سامنے ایک پلیٹ تھی جو انہوں نو واردوں کو دیکھتے ہی چارپائی کے نیچے رکھ دی، ایک شخص نے جھک کر دیکھا تو پلیٹ میں انگور کے کچھ دانے رکھے تھے، ولید نے اس شرم سے کہ چند دانے مہمانوں کے سامنے کیا رکھیں پلیٹ چھپا دی تھی، یہ تھی شراب نوشی کے الزام کی حقیقت، کچھ دن بعد منتقم گروہ نے سرکاری فقیہ عبداللہ بن مسعود کے سامنے ولید کی شراب نوشی کا چرچا کیا تو انہوں نے کہا: "اگر کوئی شخص چھپ کر بُرا کام کرے تو ہمارے لئے مناسب نہیں کہ اس کو جا پکڑیں اور اس کا پردہ چاک کریں" ولید بن عقبہ کو ابنِ مسعود کے اس جواب کی خبر ہوئی تو انہوں نے مؤخرالذکر کو بلایا اور کہا: ایک منتقم گروہ کے سامنے تم نے میرے بارے میں بے حد نامناسب گفتگو کی، میں چھپ کر کیا کام کرتا ہوں، ایسی بات مشتبہ لوگوں کی نسبت کہی جاتی ہے" عبداللہ بن مسعود خزانہ سے قرضہ کے معاملہ میں بگڑے ہوئے تھے ہی اس سرزنش

سے اور زیادہ برہم ہو گئے، کچھ دن بعد منتقم گروہ کے بعض افراد ولید کے کمرہ میں داخل ہوئے جہاں وہ سوئے ہوئے تھے اور ان کی انگلی سے وہ انگوٹھی اتار لی جس سے سرکاری مہر لگائی جاتی تھی، پھر ایک وفد لے کر عثمان غنیؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ ولید شراب خور ہیں، یہ دیکھئے سرکاری مہر، جب وہ مدہوش تھے ہم ان کی انگلی سے اُتار لائے، عثمان غنیؓ نے فوراً ولید کو طلب کیا، انہوں نے آکر اپنی صفائی پیش کی اور کہا کہ شکایت کرنے والے اس وقت سے میرے دشمن ہو گئے ہیں جب سے میں نے ان کے لڑکوں کو موت کی سزا دی ہے، انہوں نے کوفہ میں محاذ بنا لیا ہے جس کا مقصد حکومت اور حکام حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا ہے، عثمان غنیؓ خود ولید کی سیرت سے واقف تھے، ان کو بے قصور سمجھتے تھے لیکن شراب نوشی کی شہادت فراہم ہو چکی تھی اور مدینے کے چند بڑے صحابی جن کا دل عثمان غنی اور ان کی حکومت کی طرف سے مکدر تھا، مصر تھے کہ سزا دی جائے، چنانچہ ولید کو کوڑے لگا کر ان کو معزول کر دیا گیا[1]۔

عثمان غنی نے ولید کی جگہ سعید بن عاص کو گورنر مقرر کیا، یہ سعید معزز اور کارگذار قریشی عرب تھے، بڑے فیاض اور سیر چشم، اُس کمیٹی کے ممبر بھی رہ چکے تھے جو عثمان غنی نے تدوین قرآن کے لئے مقرر کی تھی، جب سعید کوفہ کو روانہ ہونے لگے تو عثمان غنیؓ نے ان کو اکابر کوفہ کے نام یہ خط دیا:۔

> تو امنح ہو کہ میں نے ولید بن عقبہ کو جب وہ پختہ عقل اور حرص و آز سے پاک صاف ہو چکے تھے آپ کا گورنر مقرر کیا تھا اور ان کو تاکید کر دی تھی کہ آپ کے ساتھ اچھی طرح پیش آئیں، لیکن آپ کو ان کے ساتھ اپنا طرزِ عمل درست رکھنے کی ہدایت نہیں کی تھی، جب آپ کو ان کے ظاہر میں کوئی خرابی نظر نہ آئی تو آپ نے ان کے باطن پر وار کیا، اب میں سعید بن عاص کو گورنر

---

[1] تاریخ الامم ۵/۶۰ - ۶۲ -